جلد 6 شمارہ 1 مارچ 2004ء مُحرّم 1425ھ

قد اَفلَحَ مَن تَزَکّٰی ۝ وَذَکَرَ اسمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ۝ (الاعلیٰ 14-15)

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

اللہ

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

Registerd

CPL No. 4

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

بیادگار **خواجہ عبدالحکیم انصاری**رح
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ
فلاح آدمیت
عالمگیر محبت اور بہتری نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

جلد 6 شمارہ 1 مارچ 2004ء محرم 1425ھ

قیمت ——— -/20 روپے
سالانہ فنڈ ——— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:0431-862835
Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-881379

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

اگر ہم اپنے معمولات زندگی پر غور کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دین کا عمل دخل ہمارے معمولات میں محض رسمی رہ گیا ہے۔ کسی بھی کام کے کرتے وقت یہ بات تو ہم سوچتے ہیں کہ اس کا دنیاوی فائدہ کیا ہے لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کام اللہ اور رسول کے حکم مطابق ہے یا نہیں یہی بات ہمارے معاشرتی بگاڑ کا باعث ہے اس وقت ہم اپنی تمام توانائیاں صرف مادی آسائشوں کے حصول کیلئے صرف کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں مادہ پرستی کا جھکڑ چل رہا ہے انسان کو اللہ تعالیٰ نے کس مقصد کے تحت اس دنیا میں بھیجا ہے اس مقصد کو ہم نے مکمل فراموش کر دیا ہے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے انسان کی ساری زندگی عبادت والی زندگی بن سکتی ہے اگر وہ اس کو اپنے خالق کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بسر کرے اسلامی تعلیمات کاروبار دنیا کے خلاف نہیں اللہ نے ہر کام کے کرنے کا طریقہ بتایا اگر وہ کام ان حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے کیا جائے تو وہ عین عبادت ہے اس سے معاشرے میں بہتری ہی ہو سکتی ہے بگاڑ پیدا ہونیکا احتمال نہیں جس چیز کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے اس کیلئے ہم خود کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے یعنی کہ رزق رسانی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ ہر مخلوق کا رزق اس نے مقرر فرما دیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اس کو رزق بھی ضرور دیگا جو چیز اللہ تعالیٰ ہمارے ذمہ لگائی ہے اس کو ہم نے بالکل فراموش کر دیا ہے یعنی کہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ جس کے متعلق ہمیں دن رات فکر کرنی چاہیے اس کو ہم نے اپنے معمولات میں سے نکال باہر کیا ہے رزق کے متعلق اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ سب کو دیگا چاہے کوئی اس کے ماننے والا ہو یا منکر ہو اللہ تعالیٰ ہمیں مقصد حیات کو سمجھنے کی اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین جیسا کہ سب برادران جانتے ہیں کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا

سالانہ اجتماع ہر سال اپریل میں منعقد ہوتا ہے اس سال یہ اجتماع انشاء اللہ اپریل 9-10-11 تاریخ بروز جمعہ ہفتہ اتوار منعقد ہو رہا ہے تمام برادران اس میں ضرور شرکت فرمائیں کیونکہ یہی ایک موقع ہوتا ہے جب تمام برادران جمع ہوتے ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے ملنے اور معارف ہونے کا موقع ہوتا ہے تمام برادران کو تاکید ہے کہ وہ سالانہ مجلہ فنڈ مبلغ 200 روپے برائے سال 2004ء اپریل تک اپنے خادمان حلقہ کے پاس جمع کروادیں۔

عالم ارواح اور پیشگوئیاں

محمد صدیق دار توحیدی

روحیں بھی اسی مادی عالم میں موجود ہیں لیکن اس طرح کہ نہ وہ ہمیں محسوس ہوتی ہیں، نہ ہم ان کو محسوس ہوتے ہیں۔ ان کی فریکوئنسی اور ڈائمنشن مختلف ہے۔ جس طرح ریڈیو اور ٹیلیویژن کی آوازیں اور تصویریں ہماری فضا کے اندر ہی موجود ہیں لیکن ہم اپنے کانوں سے یہ آوازیں نہیں سن سکتے۔ لیکن ریڈیو کا بٹن دباتے ہی آواز آتی ہے یہ بی بی سی لنڈن ہے۔ تو یہ آواز اس لمحے میں لنڈن سے چل کر نہیں آئی بلکہ پہلے ہی ہماری اردگرد کی فضا میں موجود تھی۔ اسی طرح روحوں کا عالم ہے۔ عالموں میں لطافت کا فرق ہے۔ جس طرح ہمارے منہ سے نکلنے والی آواز تو زیادہ دور تک نہیں جاسکتی۔ لیکن اگر اسے ہم ریڈیائی لہروں کی ذریعے ٹرانسمٹ کردیں تو یہ پوری دنیا بلکہ دوسرے سیاروں میں بھی سنائی دے گی کیونکہ وہ مادی حدود سے آزاد ہوگئی۔ اسی طرح روح بھی مادی جسم سے آزاد ہو کر نئی وسعتوں میں داخل ہو جاتی ہے۔

سوال:- لیکن حضرت یہ قبر میں سوال و جواب اور جزا و سزا کا جو بیان ہے یہ کیا ہے؟۔

شیخ سلسلہ:- قبر میں تو جسم کو دفن کیا جاتا ہے۔ عالم برزخ میں تمام معاملات روح کے ساتھ ہی پیش آتے ہیں اور وہاں اس کا ایک روحانی جسم بھی ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے مردوں کو جلا دیتے اور راکھ دریا میں ڈال دیتے ہیں ان کا کیا ہوگا۔ کئی مسلمان بھی حادثات میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ کئی انسانوں کو جنگلی درندے کھا جاتے ہیں۔ ان کی قبریں تو بنتی ہی نہیں۔ قبر سے مراد مٹی کی ڈھیری نہ لی جائے بلکہ اس سے مراد وہ عالم ہے جہاں موت سے لے کر دوبارہ مادی جسموں کے ساتھ جی اٹھنے تک ارواح انسانی قیام کرتی ہیں۔ جب موت واقع ہوتی ہے تو روح مادی جسم سے الگ کر دی جاتی ہے اور وہ لطیف طبقات کی طرف پرواز کرتی ہے۔ روح اگر نیک ہو تو بلند طبقات تک پہنچ جاتی ہے اور اگر اپنے گناہوں کی وجہ سے بوجھل ہوگی تو ناسوت یعنی دوزخ کے طبقات کے پار نہ جا سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتی ہے۔ دوزخ نہیں بلکہ

اس کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث شریف میں فرمایا کہ جنتی
کے لئے قبر میں جنت کی طرف اور دوزخی کے لئے دوزخ کی طرف ایک کھڑکی کھول دی
ہے۔ اس طرح عالم مثال میں ارواح کو ثواب وعذاب کا حصہ ملتا رہتا ہے اور قیامت کے دن
ارواح مادی جسموں کے ساتھ میدان حشر میں حاضر ہونگی اور پھر حساب کے بعد دوزخ یا جنت
میں ڈالی جائیں گی۔ ریلوے کے سفر کی مثال لے لیں۔ آپ ٹکٹ تو اپنی منزل کے سفر کے
خریدتے ہیں۔ لیکن گاڑی آنے تک مسافروں کو ٹکٹ کے درجہ کے مطابق انتظار گاہوں میں
جاتا ہے۔ فرسٹ کلاس والوں کی انتظار گاہ میں صوفے، پنکھے اور صاف ستھرے باتھ روم ہوتے
ویٹر بھی خدمت کے لئے موجود ہوتے ہیں لیکن نچلے درجہ والوں کو کہا جاتا ہے کہ باہر پلیٹ فارم
کے بنچوں پر بیٹھ کر گاڑی کا انتظار فرمائیں۔ بس اسی طرح سمجھ لیں کہ عالم مثال بھی ارواح
لئے قیامت کے دن تک انتظار گاہ ہے۔ چونکہ اس عالم میں روح مادی جسم کے بغیر ہوتی ہے
لئے وہاں کی لذات اور تکالیف بھی روحانی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن روحوں کو
جسم مل جائے گا تو پھر اس جسم کے مطابق جزاء وسزا کی نوعیت بھی بدل جائے گی۔

سوال:- قبلہ! روح کی بات چیت کے تسلسل میں ہی ایک سوال ہے کہ بعض لوگوں کا خیال
ہے کہ انسان اس دنیا میں بار بار جنم لیتا ہے۔ مجھے کئی لوگ ملے جو کہتے تھے کہ مجھے بچپن میں فلاں
جگہ لے جایا گیا تو مجھے سب کچھ یاد آ گیا کہ میں اس سکول میں پڑھتا تھا اور وہاں کی عمارتیں
جانی پہچانی لگیں۔ اس میں کوئی حقیقت ہے؟

شیخ سلسلہ:- نہیں اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ انسان ایک بار ہی اس مادی دنیا میں آتا
قرآن کریم میں ہے کہ مجرم التجا کریں گے کہ ہمیں واپس بھیجا جائے تو ہم صالح اعمال بجا لائیں
گے لیکن ان کی درخواست یہ کہہ کر رد کر دی جائے گی کہ سوچ و بچار کرنے کے لئے تمہیں کافی وقت
دیا گیا تھا۔

سوال:- کبھی کبھی انسان کو انجان جگہ پر جا کر ایسا احساس ہوتا ہے کہ یہ جگہ میری دیکھی
بھالی ہے۔ ایسا کیوں لگتا ہے؟

شیخ سلسلہ:- اس کی وجہ روح کی سیر ہے۔ آپ جسمانی طور پر کسی جگہ نہ گئے ہوں لیکن روح جا سکتی ہے۔ جب آپ سو جاتے ہیں تو آپ کی روح پتہ نہیں کہاں کہاں کی سیر کرتی رہتی ہے کئی رشتہ داروں کو ملتی اور کئی شہروں کی سیر کر کے واپس آ جاتی ہے۔ اور کئی مرتبہ خواب میں دیکھے ہوئے واقعات سچے ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سیر کے دوران آنے والے واقعات کی خبر بھی مل جاتی ہے۔ عورتوں کو عموماً ایسے خواب زیادہ آتے ہیں کہ فلاں فوت شدہ بزرگ آئے اور فلاں کو ساتھ لے گئے ہیں۔ چنانچہ چند دن بعد اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔

سوال:- حضرت یہ بتایئے کہ خواب میں نظر آنے والے واقعات کی بھی کوئی حقیقت ہوتی ہے؟

شیخ سلسلہ:- کئی خواب بالکل سچے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں سورۃ یوسف میں سچے خوابوں کا ذکر ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو لڑکپن میں خواب آیا کہ انہیں گیارہ ستارے، سورج اور چاند سجدہ کر رہے ہیں۔ بعد میں مصر پہنچے، اللہ تعالیٰ نے اقتدار عطا کیا اور پھر انکا پورا خاندان وہاں منتقل ہوا اور انکے گیارہ بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا یہ ہے میرے خواب کی تعبیر۔

سوال:- کیا سبھی خواب سچے ہوتے ہیں؟

شیخ سلسلہ:- نہیں سارے تو سچے نہیں ہوتے۔ خوابوں کے دو پہلو ہیں ایک یہ ہے کہ ماضی کے واقعات انسان کے تحت الشعور میں ریکارڈ ہو جاتے ہیں۔ ماضی کی ناکامیاں، اسکول میں مار پڑتی تھی وغیرہ۔ تو خواب میں پھر گزشتہ زندگی کے واقعات کی فلم چلتی ہے کہ سکول میں گیا ہوں اور استاد ڈانٹ ڈپٹ کر رہا ہے وغیرہ۔ نیند کے دوران شعور سو جاتا ہے تو گویا تحت الشعور والے خانے کا ڈھکنا کھل جاتا ہے۔ اس طرح کئی قسم کی دبی ہوئی خواہشات خواب کی صورت میں تسکین کا سامان ڈھونڈتی ہیں۔ اگر کوئی آدمی پائلٹ یا ڈاکٹر بننا چاہتا تھا لیکن کسی وجہ سے اس میں ناکام ہو گیا تو خواب میں دیکھتا ہے کہ میں جہاز اڑا رہا ہوں یا مریضوں کو نسخے لکھ کر دے رہا ہوں۔ بہر حال سچے خواب بھی آتے ہیں اور وہ واضح طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ روحانیت کے

موضوع پر ماہوار رسالہ ''حکایت'' میں میں نے ایک مضمون لکھا۔ اس میں ایک ذاتی تجربہ
بات لکھی۔ ایئر فورس کی سروس کے دوران میں رسالپور میں تھا کہ ایک صبح میری بیوی نے
رات میں نے خواب دیکھا کہ میرے بھائی کی حویلی میں ایک بھینس مری پڑی ہے اور
بھاوج اس کے پاس بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے یہ کہہ کر کہ کبھی کوئی اچھا خواب بھی سنایا کرو
مذاق میں ٹال دی۔ لیکن تیسرے دن وہاں سے خط آ گیا کہ ہماری بھینس مر گئی ہے۔ اب
کیا تاویل کی جا سکتی ہے۔ اس مضمون کا موضوع یہی تھا کہ وقوع سے پہلے کسی حادثہ کا علم
ہو سکتا ہے اور دور بیٹھے ہوئے عزیزوں کو روحانی طور پر پیغام کیسے پہنچائے جا سکتے ہیں۔ دین
لحاظ سے اس کی وضاحت ذرا مختلف ہے۔ دنیا میں کئی لوگ مشہور ہیں جو پیشگوئیاں کرتے
جیسا کہ امریکن لیڈی جین ڈکسن ہے۔ اس کی بہت سی پیشگوئیاں درست نکلیں۔ اس نے امر
صدر کینیڈی کے بارے میں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس کو گولی لگے گی۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے
کے لئے مراقبہ کریں Crystal Gazing کریں یا کوئی اور طریقہ اختیار کریں انہیں
والا واقعہ کسی نہ کسی صورت میں تو دکھائی دیتا ہے۔ لیکن حادثہ ہونے سے قبل کیسے دکھائی دے
ہے یہ اہم مسئلہ ہے۔ یا تو حادثہ ہو چکا ہو کہ بھینس مر چکی تھی یا کہیں ٹرین کی ٹکر ہو چکی تھی اور
پرواز کر کے وہاں پہنچ گئی لیکن جو واقعہ ابھی ہوا ہی نہیں اسکا علم کیونکر ہو سکتا ہے۔ سائنس کے
اس کی کوئی توجیح نہیں ہے۔ میں نے ایک انگریزی کتاب پڑھی جس کا ٹائٹل تھا The
Riddle of Future" یعنی ''مستقبل کا معمہ'' اس میں ایسے ہی واقعات پر تحقیق کی گئی
جو بڑے ثقہ لوگوں کو خواب یا بیداری میں دکھائی دیئے اور انہوں نے لوگوں کو بتا بھی دیئے اور
بعد میں وہ واقعات اسی طرح ظہور پذیر ہوئے۔ وہاں تو کئی ادارے ہیں جو روحانی معاملات
تحقیق کر رہے ہیں۔ کسی نے دیکھا کہ فلاں جگہ پر ایئر پورٹ ہے تو کئی برس بعد وہاں واقعی
پورٹ بن گیا۔ ایک آدمی نے بحری سفر پر ایک ناول لکھا۔ اس جہاز کا سائز تحریر کیا اور آخر
وہ شمالی سمندروں میں کسی چٹان سے ٹکرا کر غرق ہو گیا۔ لیکن دس برس بعد ایک جہاز اسی نام
جس کی لمبائی چوڑائی بھی ناول والے جہاز سے ملتی جلتی تھی۔ مسافروں کی تعداد بھی تقریباً وہی

اور وہ پھر اسی سمندر میں غرق ہوگیا۔ اب یہ حیرت انگیز مماثلت کیسے ہوگئی۔ ناول لکھنے والے کے ذہن میں دس سال بعد وقوع پذیر ہونے والے حادثے کی تفصیل کیونکر آ گئی۔ تو کتاب کا مصنف اس طرح کے واقعات لکھنے کے بعد یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا ہمارا مستقبل پہلے سے طے شدہ ہے اور ہم سب اس جبر کے سامنے بے بس ہیں۔ اسی سوال پر اس نے کتاب ختم کر دی۔ اب اس سوال کا عقل کے پاس کوئی جواب نہیں کیونکہ وہ یہ بات کسی طرح بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ کسی حادثے کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔ لیکن روحانیت میں اس کا جواب موجود ہے۔ مادی دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے پہلے اس کی سکیم عالم امر اور عالم مثال میں ہوتی ہے۔ انسانی روحوں ہی کو لے لیجئے تمام انسان جو دنیا میں پیدا ہوں گے ان کی روحیں روز ازل میں ہی پیدا کر دی گئی تھیں اور وہ سب روح بسیط یا روح اعظم میں موجود ہیں۔ اپنی اپنی باری پر اللہ کے حکم سے ہر روح وہاں سے چلتی ہے۔ عالم امر میں اسے عقل اور نفس ملتا ہے پھر عالم مثال سے ہوتی ہوئی مادی عالم میں آتی ہے تو اسے مادی جسم عطا ہوتا ہے۔ تو یہ ایک لمبا سفر ہے اور عالم امر سے مادر رحم تک راستے میں کئی مراحل سے گذرتی ہے۔ اسی طرح حادثات عالم ہیں وہ بھی اسی طرح آتے ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ فرشتے جو کچھ لے کر زمین کی طرف نازل ہوتے ہیں اللہ جانتا ہے اور جو کچھ زمین سے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اسے بھی جانتا ہے۔ اور اللہ کا ایک دن تمہارے ایک ہزار سال کے برابر ہے پہلے وہاں فیصلہ ہوجاتا ہے کہ فلاں صدی میں فلاں فلاں ملکوں کے درمیان جنگ ہوگی، ہندوستان کا بٹوارا ہوگا۔ پاکستان نیا ملک بنے گا پھر یہ بھی دو ملکوں میں تقسیم ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے حساب سے آسمانی فیصلہ ایک ہزار سال پہلے ہوجاتا ہے۔ یہ فیصلہ وہاں سے زمین کی طرف آہستہ آہستہ نازل ہوتا ہے۔ اگر کسی بزرگ کی روح کی پرواز ہزار سال کے فاصلے تک ہو تو وہ ان واقعات کو ایک ہزار سال پہلے دیکھ سکتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی پیشگوئیاں تو قیامت کے عرصہ پر محیط ہیں۔ آپ نے جو کچھ حالات بتائے ویسے ہی ظاہر ہو رہے ہیں۔ جس بزرگ کی پرواز تین دن تک کے فاصلہ تک ہے وہ تین دن قبل کسی ہونے والے واقعہ کی اطلاع دے سکتا ہے۔ سب پیشگوئیاں کرنے والے

روحانی مشقوں کے ذریعے روحانی پرواز کا عمل سیکھتے ہیں اور اپنے اپنے رینج کے مطابق آنے والے واقعات کا روحانی مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ میں ایک مثال دیتا ہوں۔ مثلاً فیصل مسجد تعمیر کرنی ہے۔ آپ سب سے پہلے اپنے ذہن میں اس کا ایک ڈیزائن بناتے ہیں لیکن اس حالت میں کوئی دوسرا آدمی اس مسجد کی صورت کو جو کہ آپ کے ذہن میں محفوظ ہے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ یہ عالم امر کی مثال ہے۔ لیکن آپ جب چاہیں اپنے خیال میں اس مسجد کو ساری تفصیلات کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔ اسی کو عالم غیب کہہ سکتے ہیں جس کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ عالم غیب ہے اور عالم شہادت ہے۔ اور اس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ ہم لوگ پیش گوئیاں کرنے والوں کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ وہ آنے والے واقعات کے بارے میں کیسے بتا سکتے ہیں یا اللہ والوں کی بزرگی کے بھی منکر ہو جاتے ہیں کہ کیا وہ عالم غیب ہیں۔ یہ علم غیب کا حصہ ہرگز نہیں ہوتا اسے مکاشفہ کہتے ہیں جو کہ عالم مثال کا ہوتا ہے۔ اب آپ نے مسجد کے ڈیزائن کو جو آپ کے ذہن میں تھا ایک کاغذ پر منتقل کر دیا۔ یا اس کی مائیکروفلم بنادی یا ایک بڑی میز پر اس کا ماڈل بنا دیا۔ آپ اسے عالم مثال کا نمونہ سمجھ لیں۔ یعنی اصل مسجد کی تو ابھی بنیاد بھی نہیں ڈالی گئی لیکن اس کا ایک ایسا نمونہ تیار ہو گیا ہے جسے اب دوسرے لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اب اگر کسی کی اس ماڈل تک رسائی ہو تو وہ دوسرے لوگوں کو بتا سکتا ہے کہ پانچ یا دس سال بعد اس ڈیزائن اور سائز کی ایک مسجد تعمیر ہونے والی ہے۔ اسی طرح اللہ کا امر اوپر سے فرشتے لے کر آتے ہیں۔ عالم مثال میں اس کی روحانی ساخت بن جاتی ہے۔ جو لوگ روحانی بصیرت رکھتے ہیں وہ مادے سے ذرا اوپر اٹھ کر ان روحانی اشکال اور صورتوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ اگر وہ بیان کر دیں تو پیشگوئی کہلاتی ہے۔ بعض مجذوب بلکہ پاگل بھی آنے والے واقعات کی خبر دے دیتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ ان کا شعور اکثر معطل رہتا ہے اور ان لمحات میں لاشعور بیدار ہو جاتا ہے۔ اور لاشعور کا تعلق عالم مثال سے ہوتا ہے اور ان کو آنے والے واقعات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ عام لوگ ان باتوں سے لاعلم ہوتے ہیں اور ان پاگلوں کو بھی ولی اللہ سمجھنے لگتے ہیں۔ (جاری)

سست بھائی کے نام

(ایک خط جو سب کے لئے توجہ طلب ہے)

محمد صدیق ڈار توحیدی

عزیزم...... صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ہمیں دین اسلام اور فقر محمدی کا سچا اور روشن راستہ دکھایا۔ ہم سب بھائی آپ کی سیدھی سادھی لیکن زود اثر تعلیم کے عملی فوائد محسوس کر کے برضا و رغبت اس سلسلے میں شامل ہوئے اور اپنی اس خوش بختی پر ہمیں بجا طور پر ناز بھی ہے کیونکہ فرقہ واریت اور مادہ پرستی نے فضا کو اس قدر مسموم اور غبار آلود کر رکھا ہے کہ اس دور میں حقیقت اور صراط مستقیم کا مل جانا اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے۔ لیکن یہ بنیادی حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ جس طرح شریعت میں حصول فلاح کے لئے ایمان کے ساتھ صالح اعمال کا بجالانا ناگزیر ہے اسی طرح کسی روحانی سلسلے میں بیعت ہو جانے کے بعد اذکار و اشغال طریقت اور احکام مرشد کی پابندی بھی لازمی ہوتی ہے ورنہ گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب و دیدار کے طالبوں کو یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ وہ غفلت یا سستی کی روش اپنائیں یا دنیا کے کاموں میں اس قدر کھو جائیں کہ بیعت کے وقت جو عہد اپنے مرشد کو گواہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اسے بھول ہی جائیں اور اس طرح انجام قدر ناشناس اور خسارہ اٹھانے والوں جیسا ہو۔

☆ میری آپ سے التماس ہے کہ آپ ذرا ٹھنڈے دل کے ساتھ اپنا جائزہ لیں اور خود ہی اپنے اعمال کا محاسبہ فرمائیں کہ روزانہ ذکر کی پابندی، ہفتہ وار ذکر میں حاضری، ماہوار خیرات فنڈ میں اعانت، سالانہ اجتماع میں شمولیت اور مرشد سے رابطہ رکھنے کے سلسلے میں آپ کا طرز عمل کہاں تک سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم سے مطابقت رکھتا ہے۔ اگر آپ تعمیر ملت اور طریقت توحیدیہ ایک بار پھر غور سے پڑھ لیں تو اس آئینے میں آپ کو اپنا معیار اور مقام نظر آ جائے گا۔ بانی سلسلہؒ نے ''چراغ راہ'' کے صفحہ 133 پر جو انتباہ فرمایا اس کے الفاظ یوں ہیں: ''جو لوگ نہ تو ذکر اذکار کرتے ہیں نہ ہفتہ وار حلقوں میں شریک ہوتے ہیں نہ فنڈ ہی میں حصہ لیتے ہیں ان کی بابت کس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حلقہ میں شامل ہیں۔ میں تو ان لوگوں کو حلقہ کا رکن ہی نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ

ہے کہ ان کو بیعت ہونے کے بعد کوئی روحانی یا دنیوی فائدہ نہیں ہوتا'' ۔اس لئے ہر توحیدی بھائی کو چاہیے کہ سلسلہ کی تعلیم کی روشنی میں اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے۔ میں بحیثیت شیخ سلسلہ آپ کے لئے دعا تو کرتا ہی رہتا ہوں۔ چونکہ آپ کی اصلاح کے لئے راہنمائی کرنا میرے فرائض میں شامل ہے اس لئے میں انتہائی خلوص اور دلسوزی کے ساتھ آپ کو پھر سے اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی محبت اور آخرت کی فکر کی راہ پر گامزن ہو جانے کے لئے یاد دہانی کرا رہا ہوں تا کہ آپ کی دنیا اور آخرت دونوں سدھر جائیں۔

☆ قرآن کریم میں یہ حقیقت بار بار آشکار کی گئی ہے کہ دنیا اور اسکی نعمتیں گھٹیا اور فانی ہیں اور آخرت بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اسکی رضا ہی زندگی کا مقصود اور اس کا حصول بھی فوز عظیم ہے جسکے لئے بھرپور جدوجہد درکار ہے۔ دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دینا ہی کامیابی کی ضمانت ہے کیونکہ اصل اور ہمیشہ کی زندگی آخرت ہی کی ہے اور دولت دنیا اور رشتہ و پیوند وہاں کسی کام نہ آئیں گے۔

☆ یہ بندہ فقیر اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ اپنی رحمت سے آپ کے دل میں اپنی محبت کو تیز فرما کر آپ کو پھر سے اپنی رضا والے اعمال کا ذوق عطا کر دے اور حلقہ کا سرگرم رکن بنا کر آپ کو اپنی اور مخلوق کی اصلاح کے کام میں لگا دے کہ اس سے بڑی کوئی نیکی نہیں ہے۔ آمین!

مجھے امید ہے کہ میرا خط ملنے کے بعد آپ سستی ترک کر کے پھر سے فعال ہو جائیں گے اور تعلیم پر کاربند ہو کر ذکر کی محفلوں میں پوری عقیدت کے ساتھ شامل ہوا کریں گے کیونکہ اللہ والوں کے سنگ ہی اللہ کا رنگ چڑھتا ہے اور دلوں کا زنگ اللہ کے ذکر ہی سے اترتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کی کلید، نیکیوں کا سرچشمہ اور خوبیوں کا منبع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ جن نیک بخت لوگوں کو اس دولت سے نوازنا چاہتا ہے انہیں اہل محبت کی صحبت میں پہنچا دیتا ہے کہ ان کے فیض ہی سے دلوں میں محبت کے چراغ روشن ہوتے اور قرب خدا کی راہیں طے ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی عبادت اور محبت کے صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین یارب العالمین

کسب معاش

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

کسب معاش کے عام بڑے ذرائع چار ہیں۔ زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور ملازمت۔ ان میں سے ہر ایک کا مختصر بیان الگ الگ سنیے۔

زراعت

انسانی معاش کا سارا انحصار زمین کی پیداوار پر ہے اس لئے جہاں تک کسب معاش کا تعلق ہے زرعی زمینوں کی نگہداشت کرنا، بنجر زمینوں کو توڑ کر زرعی بنانا انسان کا اولین فرض ہے اور کاشتکاری سب سے معزز اور اہم پیشہ ہے۔ کسانوں اور کاشتکار کو موٹے جھوٹے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھ کر حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ تمہارے واسطے غذا حاصل کرنے کے لئے خود تکلیفیں اٹھا کر تمھیں بھوکا مرنے سے بچاتے ہیں۔

زمینوں کی کاشت کے لئے ابھی تک تقریباً ساری دنیا میں زمینداری کا طریقہ جاری تھا۔ اور اکثر ملکوں میں اب تک رائج ہے یعنی ہزاروں ایکڑ زمین کسی ایک شخص کی ملکیت ہوتی ہے۔ جس سے وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے غریب کسانوں کو کاشت کے لئے دے کر خود بغیر محنت کئے ان سے معقول لگان وصول کرتا ہے۔ اور حکومت کو نام نہاد مال گزاری دیتا رہتا ہے۔ یہ طریقہ ملک کی زرعی ترقی اور خوش حالی کے لئے بہت مضرت رساں ثابت ہوا ہے، کیونکہ اس طرح ملکی دولت کا بڑا حصہ صرف چند آدمیوں کے قبضہ میں چلا جاتا ہے اور ابادی کی کثیر تعداد مفلوک الحال ہو جاتی ہے۔ اس لئے کئی ملکوں نے طریقہ زمینداری کو ختم کر کے تمام زمین کو قومی ملکیت قرار دے دیا ہے اور کاشت کار محض مزدور کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ دوسرے ممالک میں بھی اس طریقہ کو رائج کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ہماری رائے میں یہ طریقہ بھی کامیاب نہیں رہے گا۔ اس میں دو نقص ہیں ایک تو حکومت کے عمال جن کا واسطہ کاشتکاروں سے پڑتا ہے عام طور پر متدین نہیں ہوتے وہ کاشتکاروں پر زمینداروں سے بھی زیادہ ظلم ڈھاتے ہیں۔ دوسرے کاشت کار یہ سمجھ کر کہ میں تو صرف مزدور ہوں زمین کی نگہداشت اور زراعت کی ترقی میں خاطر خواہ دلچسپی نہیں لیتا۔ اس لئے سب سے اچھا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ جو لوگ زمین خود کاشت کریں۔ ان کو ان کے کنبے کے افراد کی تعداد کے لحاظ سے زمین کسی لمبی مدت کے لئے ٹھیکے پر یا بطور ملکیت دوام دے دی جائے۔ لیکن شرط یہ رکھی جائے کہ اگر کسی وقت کنبہ کے افراد کی تعداد کافی کم یا زیادہ

ہوگئی تو اسی نسبت سے زمین کی مقدار بھی کم یا زیادہ کر دی جائے گی۔ کاشت کار کو اس کا
سہولت اور مدد بہم پہنچانا حکومت کا فرض ہے۔ محکمہ زراعت اور محکمہ انہار کا فرض ہے کہ وہ
کار کے ہل، ٹریکٹر، سائینٹیفک کھاد، کیڑوں کو مارنے والی دوائیں، عمدہ قسم کے بیج بہم پہنچائیں
آبپاشی کا آسان اور کافی بندوبست کریں۔ اس بات کا بھی بندوبست ہونا چاہیے کہ کاشتکار
جنس اٹھانے کے بعد مہنگا بیچنے کے خیال سے ایک غیر مناسب عرصہ تک ذخیروں میں چھپا
رکھنے پائیں۔

تجارت

تجارت کسب معاش کا بہت ہی معزز اور منفعت بخش ذریعہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس
نے تجارت میں ترقی کی وہ آخر کار تخت حکومت پر بھی قابض ہوگئی۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا
دس حصوں میں سے نو حصہ رزق تجارت میں ہے۔ اس لئے تم تجارت ضرور کرو۔ تجارت میں
لازمی ہے اور سفر ہی سے انسان کو عقل، تجربہ اور دنیا کے حالات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ تجارت
کی وجہ سے طرح طرح کی آرام دہ اور تیز رفتار سواریاں ایجاد ہوئیں۔ مسلمان جب تک تجارت
پر قابض رہے دنیا پر ان کا سیاسی اقتدار بھی قائم رہا۔ جب تجارت غیروں کے ہاتھ میں گئی
اقتدار و طاقت بلکہ حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ ہندوؤں نے ہمارے دیکھتے دیکھتے پچاس برس
وہ ترقی تجارت میں کی کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کیا۔ مسلمان اگر چاہتے ہیں کہ
ترقی کریں تو تجارت کے میدان پر قبضہ کئے بغیر چارہ نہیں۔

تجارت میں کامیابی کے لئے عقل، سمجھ، بوجھ، دیانت داری اور سخت محنت کی ضرورت
اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارے تاجر اپنی اور دوسرے ملکوں کی منڈیوں کی ضرورت
اور دیگر حالات سے پوری طرح باخبر رہیں۔ معاملہ کی صداقت اور خوش اخلاقی کا معیار اتنا
چاہیے۔ کہ جو آدمی ایک مرتبہ تم سے معاملہ طے کر لے پھر کہیں اور نہ جانے پائے تجارت میں
ایمانی اور دغا بازی کرنے والے اپنی قوم اور ملک کے دشمن ہیں۔ تجارت تو ساکھ پر چلتی
ساکھ محض معاملات کی صداقت سے حاصل ہوسکتی ہے۔ مسلمان جو تین سو برس پہلے
بہترین تاجر تھے۔ اب تجارت کے میدان میں طفل مکتب ہیں۔ ان کا اصول یہ ہے کہ ایک
خریدار سے اتنا نفع لے لو کہ دن بھر کے لئے کھانے کو مل جائے۔ یہ اصول غلط ہے تجارت
کامیابی کا اصول یہ ہے کہ نفع کم لو مال اچھا دو تا کہ خریداروں کا حلقہ وسیع سے وسیع

جائے۔ چور بازاری کرنے والے ملک اور قوم کو تباہ کرتے ہیں۔ مگر اس میں ان کا اتنا قصور نہیں جتنا ان حکومتوں کا ہے جو ان تباہ کاروں کو سخت اور عبرت انگیز سزائیں نہیں دیتیں۔

صنعت وحرفت

یہ کسب معاش کا تیسرا ذریعہ ہے۔ اور جہاں تک کسب زر کا تعلق ہے کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ صنعت وحرفت کیا ہے، خام اشیاء کو کارآمد شکل میں تبدیل کر کے ان کی تجارت کرنا۔ مثلاً کپاس سے کپڑا، دھاتوں سے برتن، زیور، آلات اور ہتھیار اور مشینیں وغیرہ تیار کرنا۔ اس طرح بعض چیزوں پر ایک روپیہ خرچ کر کے ایک ایک ہزار تک کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ یورپ و امریکہ میں موجودہ ترقی کی اصل وجہ ہی صنعت وحرفت ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ایشیائی ممالک سے کروڑوں روپیہ کا سامان مثلاً کپڑا، قالین، شالیں، طلائی اور نقرئی زیور، ظروف اور شیشہ اور چینی کے برتن یورپ میں لے جاکر بیچے جاتے تھے۔ اور وہاں سے ان کے بدلے سونا اور چاندی ایشیا میں آتا تھا۔ لیکن جب سے یورپ میں مشینیں ایجاد ہوئیں اور یہی چیزیں وہاں زیادہ صفائی کے ساتھ زیادہ مقدار اور کم قیمت میں تیار ہونے لگیں تجارت کا رخ پلٹ گیا۔ غریب یورپ دولت مند اور امیر ایشیا مفلوک الحال ہوگیا۔ اسی کی وجہ سے طرح طرح کی ایجادیں ہوئیں اور ساری دنیا میں نہ صرف مشینی واقتصادی بلکہ معاشرتی اور اخلاقی انقلاب برپا ہوگیا۔ صنعتی ترقی سے روپیہ کی تقسیم کا جو معیار مدت سے چلا آرہا تھا اور جس میں زمیندار پہلے ہی غریب مزارعین کا خون چوس چوس کر موٹے ہورہے تھے۔ وہ اور بھی غیر متناسب ہوگیا۔ اس طرح سرمایہ داروں اور مزدوروں کے طبقات خاص طور پر نمایاں ہوئے۔ مارکسزم کے فلسفہ نے زور پکڑا اور مذہب اشتراکیت وجود میں آیا یہ مذہب خدا اور الہام کا منکر ہے اس کا صرف یہی ایک اصول ہے کہ دنیا کا ر آدمی پیدائشا اس بات کا مستحق ہے کہ اسے کھانے اور پہننے کو روٹی کپڑا رہنے کو مکان اور جنسی پیاس بجھانے کو عورت ملے۔ یہ اصول اس قدر سچا سادہ اور دلفریب ہے کہ کوئی متنفس بھی اس کی اہمیت اور حقانیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ مگر اس اصول کو عملی طور پر بروئے کار لانے کے لئے قانون یہ ہے کہ ملک کی ساری زمین اور ہر قسم کی خام اور صنعتی پیداوار قوم یا بالفاظ صحیح گورنمنٹ کی ملکیت ہو اور آمدنی کو تمام باشندوں پر ان کے کاموں کے مطابق مناسب اور متناسب طور پر تقسیم کردیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس مذہب کی بنیاد صرف مادی اشیاء پر ہے۔ اور جہاں تک اخلاقیات کا تعلق ہے اس مذہب کے پاس کوئی سرمایہ اپنا ذاتی نہیں ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے جتنے بھی اخلاقی

تعینات ہیں وہ سب دوسرے الہامی مذاہب سے مستعار لئے گئے ہیں اوران کو منوانے کے
حکومت کے ہاتھ میں صرف ڈنڈے کی طاقت ہے جس کا مشاہدہ اشتراکی ممالک میں ہر ہر
پر ہوتا رہتا ہے۔ ان ممالک میں تمام آبادی اشتراکی نہیں ہے۔ صرف اشتراکی پارٹیاں
برسرِ حکومت ہیں اور وہ مجبور ہیں کہ اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے ڈنڈا استعمال کرتی رہیں
چونکہ اس مذہب کے پاس اپنا کوئی اخلاقی سرمایہ نہیں۔ اس لئے جب تک ان پارٹیوں کے
ڈنڈے میں طاقت ہے۔ یہ مذہب قائم رہے گا جس دن یہ طاقت ختم ہوئی یہ مذہب بھی ختم
ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس مذہب کے قواعد وقوانین پر ایک اشتراکی صرف فوج پولیس
جاسوسوں کے خوف سے عمل کرتا ہے۔ برخلاف ازیں الہامی مذاہب میں ہر شخص کو ایک ا
ذات کا تھوڑا بہت یقین ضرور ہوتا ہے جو اگرچہ دکھائی نہیں دیتی لیکن ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور
انسان کو ان کی تمام برائیوں اور بھلائیوں کی جزا و سزا دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مذاہب کے
ماننے والے ایسے مواقع پر بھی اکثر و بیشتر جرم و گناہ کے ارتکاب سے مجتنب رہ سکتے ہیں جہاں
پولیس یا سول کا کوئی آدمی بھی موجود نہیں ہوتا۔ مذہب اشتراکیت میں کوئی ایسا بنیادی اور اہم
عقیدہ موجود نہیں ہے جو انسان کو ان مواقع پر بھی جرم اور گناہ سے بچا سکے۔ یہ اس مذہب میں
خامی اور کمزوری ہے اور یہ کسی طرح بھی قیام امن اور ترقی تمدن میں دوسرے مذاہب کا مقا
زیادہ عرصہ تک نہیں کر سکے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ پھر یہ مذہب اس قدر تیزی سے کیوں پھیل رہا ہے؟ اس کی تین وجوہ
ہیں۔ اول یہ کہ اس مذہب کا واحد اصول اس قدر سادہ سچا اور دلفریب ہے کہ عوام کو سمجھانے
لئے کسی علمی یا فلسفی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ روٹی، کپڑے، مکان اور عورت کی ہر شخص
ضرورت ہے اور وہ ان الفاظ سے مسحور ہو کر اس طرف راغب ہو جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس اصول کی تبلیغ کے لئے چونکہ کسی خاص علمی قابلیت کی ضرورت نہیں
معمولی پڑھا لکھا آدمی جو لیڈر بننا اور پیسے کمانا چاہتا ہے جاہل اور بے پڑھے لکھے مزدوروں
غریب عوام میں آسانی سے اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس مذہب کی تبلیغ کے لئے صاحب رسوخ اور پڑھے لکھے لوگوں کو اشترا
خزانوں سے خفیہ طور پر بیش قرار وظیفے ملتے ہیں۔ روٹی، کپڑے، مکان اور عورت کا بندوبست
یہ ضمانت کہ یہ چیزیں ہر شخص کو میسر آ سکیں کون سے مذہب میں نہیں ہے۔ لیکن مصیبت اور

صرف یہ ہے کہ ان مذاہب کے ماننے والے اپنی مذہبی اصولوں پر عمل ہی نہیں کرتے۔ مذہب اسلام الہامی مذاہب میں سے آخری اور مکمل ترین مذہب ہے۔ اس میں دولت کی تقسیم کے جو اصول اور طریقے مقرر ہیں۔ مثلاً سود نہ لینا، زکوٰۃ نکالنا، خیرات دینا، غریب پڑوسیوں کی مدد کرنا اور ضرورت مندوں کی مدد کے لئے بیت المال قائم کرنا وغیرہ۔ اگر مسلمان ان اصولوں پر کاربند ہو جائیں تو اشتراکیت اس لحاظ سے مذہب اسلام کے پاسنگ بھی تو نہیں ہے۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ موجودہ زمانہ میں صنعتی ترقی کی وجہ سے سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان تقسیم زر کا جو غیر متوازن معیار پیدا ہو گیا ہے اس کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ امریکہ اور برطانیہ نے اپنے ملکوں کو کمیونزم سے محفوظ رکھنے کے لئے مزدوروں کو بہت کافی مراعات دی ہیں۔ اور وہ بہت کچھ مفید ثابت ہوئی ہیں۔ اسلامی ممالک اگر اس الحادی تحریک سے بچنا چاہتے ہیں تو سمجھ دار مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں کو بھی جلد از جلد اپنے مذہبی اصولوں پر عمل شروع کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے قانون بھی نافذ کر دینے چاہئیں کہ سرمایہ داروں اور مزدوروں و ملازمین کے درمیان منافع کی تقسیم مناسب اور متناسب ہو جائے اور فیکٹریوں اور فرموں کے مالک اپنے ملازموں اور مزدوروں سے عزت اور انسانیت کا برتاؤ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یاد رکھیئے سرمایہ دار چند ہوتے ہیں۔ لیکن مزدور اور ملازمین ملت کا سواد اعظم ہیں۔ جس قوم کی اکثریت مطمئن اور خوشحال نہ ہوگی وہ قوم صحیح معنوں میں ہرگز ترقی نہیں کر سکتی۔

ملازمت

کسب معاش کا چوتھا ذریعہ ملازمت ہے یہاں ہماری مراد شاگرد پیشہ ملازمین سے نہیں بلکہ بڑی بڑی فرموں فیکٹریوں اور خصوصاً حکومت کے ملازمین سے ہے جن میں چپڑاسی اور پولیس کانسٹیبل سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ افسر تک سب ہی شامل ہیں۔ کسب زر کے لحاظ سے یہ پیشہ باقی تمام ذریعوں سے بہت کم درجہ کا ہے کیونکہ جو لوگ ملازمت کرتے ہوئے رشوت وغیرہ نہیں لیتے، اور دوسرے ناجائز ذرائع سے پیسہ نہیں کما سکتے، وہ کبھی مالدار نہیں ہو سکتے۔ لیکن جہاں تک قیام امن کے لئے ملکی انتظام اور عام خوشحالی کا تعین ہے یہ پیشہ باقی تمام پیشوں سے کہیں اعلیٰ اور اہم ہے۔ جس ملک کے ملازم اچھے ہوتے ہیں وہ ہمیشہ خوشحال اور طاقتور رہتا ہے۔ لیکن جس ملک کے ملازم اچھے نہیں ہوتے وہ کمزور اور تباہ ہو جاتا ہے اور بسا اوقات دشمن اس پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اس وقت ان ملازمین کو عوام سے کہیں زیادہ ذلت اور رسوائی اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس

لئے ملازم پیشہ لوگوں کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے کہ ملک کی خوشحالی کا انحصار ان کے کام پر اور قوم کی خوشحالی کا انحصار ملک کی ترقی اور آزادی پر ہے۔

کسی ملک کا قانون کتنا ہی اچھا ہو اگر اس ملک کے وزراء اور حکام دیانت دار محنتی اور فرض شناس نہ ہونگے تو ملک کو فائدے کی بجائے ہمیشہ نقصان ہی پہنچے گا۔ قیام امن و انتظام کی خاص ذمہ داری اگرچہ پولیس، عدالتوں اور امور انتظامیہ کے انچارج افسروں ہی پر عائد ہوتی ہے لیکن دوسرے محکموں کے افسر بھی اس سے مستثنٰی یا بری الذمہ قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ اس لئے تمام حکام اور افسروں کو تین باتوں کی خاص طور سے پابندی کرنی چاہیے۔

اول یہ کہ اپنے فرائض منصبی کو دیانت، محنت، انصاف اور عجلت سے انجام دیں۔ اور دیکھیں کہ ان کے ماتحت بھی اس بارے میں ان کی پوری تقلید کرتے ہیں یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ اہل معاملہ کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے گفتگو کریں۔ اگر کوئی شخص مجرم ثابت بھی ہو جائے تب بھی افسر متعلقہ کو اس کے ساتھ بدکلامی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ اپنے خوشامدی ماتحتوں کی وجہ سے ان کا حق کبھی نہ ماریں اور ان کی ترقی میں کبھی روڑے نہ اٹکائیں۔ بلکہ ہمیشہ آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہیں۔ جن ماتحتوں کے ساتھ دفتروں میں اچھا سلوک نہیں ہوتا وہ دل شکستہ ہو جاتے ہیں۔ اور دفتر کا کام اطمینان اور خوش اسلوبی سے نہیں کر سکتے۔ متمدن اقوام کے افسر اپنے ماتحتوں کے ساتھ بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

دفتروں میں وہ اپنا رویہ ایسا رکھتے ہیں کہ ڈسپلن اور کارکردگی پر اثر نہ پڑنے پائے۔ لیکن دفتر سے باہر نکل کر وہ ماتحتوں کے ساتھ اس قدر بے تکلفی سے ملتے ہیں کہ افسری اور ماتحتی کا فرق نہیں رہتا۔ اسی کا نام روشن خیالی اور تہذیب ہے۔

ملازموں میں یہ باتیں ضروری ہونی چاہئیں۔

1- قابلیت:- یعنی جو کام ان کے سپرد ہو اس میں خوب ماہر ہوں۔

2- خود اعتمادی:- انہیں اپنے اوپر بھروسہ ہو کہ ہم یہ کام اچھی طرح کر سکتے ہیں۔

3- قوت برداشت:- کام زیادہ یا مشکل ہو تو گھبرا نہ جائیں ختم کر کے ہی دم لیں۔

4- احساس ذمہ داری:- کام کتنا ہی معمولی ہو اس کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں اور پوری ذمہ داری سے انجام دیں۔

5- جدت:- کام کے سلسلہ میں اگر کوئی بات پیش آ جائے جس کی نہ تو کوئی مثال موجود

نہ کوئی ہدایت کرنے والا تو خود اپنی عقل اور تجربہ سے مناسب طریقے سوچ کر اس کو انجام دے سکیں۔

6- تعاون:- اپنے اور دوسرے دفتروں کے تمام اہل کاروں کے ساتھ مل کر کام کریں۔ اور ہر شخص کو ہر قسم کی دفتری مدد اور معلومات بہم پہنچانے کو ہر وقت تیار رہیں۔ تاکہ سب کے کام میں آسانیاں پیدا ہوں۔

7- ضبط و نظم:- دفتر کے مقررہ قاعدوں اور طریقوں کی ہر لحاظ سے پوری پابندی کریں۔

8- جذبہ خدمت و امداد:- ان کے دل و دماغ پر ہمیشہ یہ جذبہ غالب رہے کہ ہم عوام کے حاکم نہیں بلکہ خادم ہیں اور اسی خدمت کی روزی کھاتے ہیں۔ اہل معاملہ کو ہر وقت ہر قسم کی سہولتیں اور مدد پہنچائیں۔ ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں ان کا کام جلد از جلد انجام دیں۔ اور ہمیشہ یاد رکھیں کہ عوام جس قدر خوش رہیں گے ملک کے امن اور طاقت میں اضافہ ہوگا۔ عوام جس قدر بددل ہونگے ملک میں فساد رونما ہوگا اور ملکی طاقت کمزور ہو جائے گی۔

9- دیانت داری:- دیانت داری سے صرف یہی مراد نہیں کہ وہ غبن، رشوت، سفارش، اقربا پروری، جنبہ داری اور پارٹی بازی سے محترز رہیں۔ بلکہ اور بھی کئی باتیں مراد ہیں۔ مثلاً ہر کام کو قاعدے قانون کے مطابق پورے شوق اور انہماک سے انجام دیں۔ ٹالیں اور ٹرخائیں نہیں۔ حتیٰ کہ جب کوئی افسر یا نگران موجود نہ ہو تب بھی سارا کام اسی خوبی اور تندہی سے کریں۔ جیسا کہ افسر کی موجودگی میں کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس بارے میں اللہ سے ڈریں۔ اپنی تنخواہ کو حلال کر کے کھائیں اور اپنے آپ کو پہلے اللہ اور پھر افسروں کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ سمجھیں۔

ہمارے دفاتر میں صرف بیس پچیس فیصدی آدمی ایسے ہونگے جو اپنے کام کو ایک مقدس فرض سمجھتے اور دفتر کا سارا وقت کام میں صرف کرتے ہوں، زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو زیادہ وقت چائے پینے، اخبارات پڑھنے سیاست لڑانے اور اپنے نجی ملاقاتیوں سے خوش گپیاں اڑانے میں گزارتے ہیں۔ اسی لئے جو کام ہفتہ دو ہفتہ میں ہو سکتا ہے۔ وہ مہینوں بلکہ برسوں میں بھی نہیں ہوتا۔ اس کی ایک وجہ تو احساس فرض کا فقدان ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دفتر کے سٹاف میں کئی ایک اہل کار، افسروں کے رشتہ دار خوشامدی اور دوسری ناگفتہ بہ وجوہات سے ان کے سر چڑھے ہوتے ہیں۔ اس لئے کام نہیں کرتے۔ اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی کام چور ہو جاتے

ہیں۔ ہماری رائے میں ان بدعنوانیوں کو دور کرنے کی صرف دو تدابیر ہیں۔ ایک سخت تربیت دوسری سخت سزا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو آدمی جس کام کے لئے ملازم رکھا جائے۔ اسے کام کا چارج دینے سے پہلے کچھ مدت تک دو باتوں کی تربیت دی جائے۔ ایک تو اس کام کی جو اس سے لینا ہے، دوسرے اس دفتری کردار کی جو اس میں پیدا کرنا ہے اور جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔ تربیت کے اختتام پر ہر ایک امیدوار کا امتحان لیا جائے اور صرف اسی کو ملازم رکھا جائے جو امتحان میں کامیاب ہو۔ اب اگر دوران ملازمت میں کبھی بھی اس سے کوئی حرکت دفتری کردار کے خلاف سرزد ہو تو اسے سزا دی جائے۔ یہ تربیت تمام ملازموں کو نہ دی جا سکے تو کم از کم افسروں کو ضرور ہی دینی چاہیے کیونکہ دفتری کاروبار کو خوش اسلوبی سے چلانے کے اصل ذمہ دار وہی ہوتے ہیں۔ دفاتر ہوں یا عدالتیں یہ سب صرف اس لئے ہیں کہ اہل معاملہ کی کاربراری اور مظلوموں کی دادرسی کریں۔ اس لحاظ سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہر آدمی ضرورت پڑنے پر بہ خوشی وہاں جائے لیکن سوائے عادی مقدمہ بازوں کے اور کوئی شریف آدمی سوائے اشد مجبوری کے کسی حالت میں وہاں جانا پسند نہیں کرتا، بلکہ نقصان اٹھا لینے کو ترجیح دیتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ عام طور پر ان دفاتر اور عدالتوں کے اہل کار اہل معاملہ کو بہت ہی تنگ کرتے ہیں اور نہایت سختی اور رعونت سے پیش آتے ہیں۔ پولیس کا حال اس سے بھی بدتر ہے۔ عوام کے جان و مال کی حفاظت اور قیام امن کی جتنی ذمہ داری پولیس پر ہے اور کسی پر بھی نہیں۔ اس لئے پولیس والوں کا سلوک عوام کے ساتھ اس قدر ہمدردانہ اور شریفانہ ہونا چاہیے کہ پولیس والے کو دیکھتے ہی انسان کے دل میں اطمینان اور اس کی طرف سے محبت اور عزت کا جذبہ پیدا ہو۔ اور وہ کہے کہ لو وہ آ گیا میرا محافظ اب مجھے کسی کا ڈر نہیں۔

لیکن افسوس کہ معاملہ بالکل ہی برعکس ہے پولیس والے کی شکل نظر آئی اور خیال ہوا کہ اللہ ہی خیر کرے۔ خدا جانے کیا مصیبت آنے والی ہے بہت سے آدمی جو آنکھوں سے کوئی جرم ہوتا ہوا دیکھتے اور مجرموں کی سراغ رسانی میں پولیس کو بیش بہا مدد دے سکتے ہیں صرف اس لئے پولیس کو اطلاع نہیں دیتے کہ کہیں خود مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ یہ صورت حال بہت ہی افسوسناک ہے۔ پاکستان کی جو حکومت دفاتر اور پولیس کی اصلاح میں کامیاب ہوگی۔ اس کا نام قیامت تک تاریخ پاکستان میں سنہری حرفوں سے لکھا رہے گا۔

آداب بندگی

حافظ اعجاز احمد سہیل

مسافر کی نماز

اسلامی احکام فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اس کا کوئی بھی ایسا حکم نہیں ہے جس پر عمل نہ کیا جا سکتا ہو۔ بلکہ انسانوں کی آسانی کو مدنظر رکھ کر قرآن پاک میں ارشاد عالی ہے۔

''اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا''

اس لئے قرآن مجید میں مسافر کی نماز کے لئے حکم آیا ہے۔

''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ نماز میں سے کچھ کم کرو''

مسافر چونکہ حالت اطمینان میں نہیں ہوتا ہے نہ ہی اسے گھر جیسا ماحول میسر ہوتا ہے۔ حالت اضطراری میں ہوتا ہے۔

تمام آئمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ سفر میں نماز قصر پڑھنے کا حکم ہے۔ آیا یہ عمل مستحب ہے یا واجب ہے اس پر آئمہ کا اختلاف ہے۔ اور کتنے فاصلے پر قصر واجب ہوگی۔

آئمہ حنفیہ کے نزدیک قصر واجب ہے اور اس کی مسافت **48** میل ہے۔ اور قیام مدت پندرہ روز ہے۔ اور اگر نیت ہو کہ پندرہ روز سے پہلے واپسی ہوگی لیکن کام نہیں ہوا یا حالات ایسے ہیں کہ واپسی مشکل ہے تو مسافر ہی تصور ہوگا چاہے کتنی ہی مدت گزر جائے۔

اس میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں:-

1- حنفیہ کے نزدیک **48** میل کی مسافت سے نماز قصر ہو جاتی ہے۔

2- چار رکعت والی نماز دو رکعت والی نماز رہ جاتی ہے۔ اور قعدہ کے بعد بھی دو رکعت نماز پڑھ لی تو دو فرض ہو گئے دو نفل ہو گئے۔ لیکن اگر قعدہ نہیں کیا تو نماز نفل میں شمار ہوگی اور فرض نماز دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔

3- نماز قصر اس وقت شروع ہوگی جب اپنے شہر کی آخری حدود سے باہر نکل جائے گا۔

4- اگر مسافر پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کرنے کی نیت کرے تو وہ مقیم تصور ہوگا۔

5- غیر یقینی کی کیفیت ہو کہ پندرہ دن سے پہلے واپسی ہوگی۔ کام کی وجہ سے یا راستے کی وجہ سے یا کوئی اور وجہ سے واپسی نہ ہوئی تو مسافر ہی شمار ہوگا۔

6- اسلامی فوج اگر میدان حرب میں پندرہ دن کے قیام کی نیت کرے مسافر ہی رہے گی۔

7- مسافر جب مقیم کا مقتدی ہو تو نماز قصر نہیں پڑھے گا۔ بلکہ امام کی اقتدا کرے گا اس کے دو فرض ہو جائیں گے اور دو نفل ادا ہو جائیں گے۔

8- مسافر اگر مقیم لوگوں کا امام بنے تو مسافر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے گا۔ جبکہ مقتدی بغیر سلام پھیرے اپنی اپنی بقیہ نماز ادا کریں گے۔

9- حنفیہ کے نزدیک سفر میں ظہر کی نماز کو عصر کے ساتھ اور مغرب کی نماز کو عشاء کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں۔

10- نماز قصر فرض نماز میں ہے۔ چار فرض دو فرض رہ جاتے ہیں۔ دو کے ایک یا تین کے دو نہیں ہو سکتے۔

11- اگر منزل مقصود کے دو رستے ہوں ایک بحری راستہ اور ایک خشکی کا۔ اگر بحری راستہ دو دن میں ختم ہو جاتا ہے تو مسافر شمار ہوگا۔ اور اگر خشکی والا راستہ تین دن کا ہو تو مسافر تصور ہوگا۔

غیر اللہ کو رب بنانے کا مطلب

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری

ترمذی میں سیدنا عدیؓ بن حاتم سے ایک روایت یوں ہے:

''میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے گلے میں سونے کی ایک صلیب آویزاں تھی۔ حضورؐ نے فرمایا: اس بت کو اتار پھینکو۔ پھر میں نے حضورؐ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: (ان لوگوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے مقابلے میں رب بنالیا۔) پھر حضورؐ نے اس کی تشریح یوں فرمائی کہ: یہ لوگ ان علماء و مشائخ کی پرستش نہیں کیا کرتے تھے بلکہ جس چیز کو حلال کر دیتے اسے یہ بھی حلال سمجھتے اور جسے وہ حرام کرتے یہ بھی اسے حرام قرار دے لیتے''۔

اس حدیث کا شمار بڑی بنیادی احادیث میں ہے کیونکہ اولاً تو اس میں اتخاذ رب یعنی کسی رب بنانے کی قرآنی اصطلاح کی تفسیر آنحضرتؐ نے خود فرمائی ہے اور جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے یہ تبیین قرآن کا وہ اہم فریضہ ہے جو حضورؐ کے سپرد کیا گیا تھا...... **الا لتبین لھم** ... دوسرے اس میں **وثن** کا صحیح مفہوم بتایا گیا ہے جس سے شرک کی باریک اور نازک شکلیں سامنے آجاتی ہیں۔ اس روایت میں جو خاص قابل غور نکتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ قرینہ غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عدی بن حاتم کے قبول اسلام کے بعد کا ہے کیونکہ جو ابھی اسلام ہی نہ لایا ہو اس سے پہلا مطالبہ اسلام قبول کرنے کا ہوگا نہ کہ صلیب اتار پھینکنے کا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ایک غیر مسلم جب اسلام قبول کرتا ہے تو دفعتہً وہ کفر کی تمام رسموں سے باہر نہیں آجاتا بلکہ کچھ مدت تک اس میں جاہلیت کی رسمیں ناواقفیت یا بے توجہی کی وجہ سے باقی رہتی ہیں اس لئے کسی پر دفعتہً بوجھ ڈالنے کی بجائے بتدریج ہی اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

۲۔ جناب عدی اتنے بے خبر نہ تھے کہ وہ صلیب کو ایک غیر اسلامی رسم بھی نہ سمجھتے ہوں، اس لئے قرینہ ہے کہ محض زینت کے لئے صلیب لٹکا رکھی ہوگی لیکن وہ اسے ایک معمولی بات سمجھتے تھے اور آنحضرتؐ نے انہیں بتایا کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ دور رس نتائج کی حامل ہے۔

۳۔ **وثن** عربی میں ایسے بت یا صنم کو کہتے ہیں جو انسانی شکل رکھتا ہو اور اس کی پوجا کی جائے'' البستان'' میں ہے:

یعنی آدمی زمینی مادے سے انسانی شکل کی جو چیز بنائے اور خدا کے علاوہ اس کی پوجا کی

جائے اسے وثن کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صلیب کی شکل انسان جیسی نہیں ہوتی مگر وہ بھی وثن ہے کیونکہ اس کی پرستش ہوتی ہے۔ گویا حضورؐ نے جناب عدیؓ کو یہ بتایا کہ ہر وہ چیز وثن (بت) ہے جو غیر اللہ کی عبادت کا سبب بنے بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔ اسی مفہوم کے پیش نظر آنحضرتؐ نے دعا فرمائی ہے کہ خداوند میری قبر کو بت نہ بننے دینا خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم ہو یا تصوراتی، جو کچھ بھی ہو اگر وہ غیر اللہ کی عبادت (پرستش اور اطاعت) کی طرف لے جائے تو بلاشبہ وہ بت ہے، صنم ہے اور وثن ہے۔

۴۔ وثن کی طرح آنحضرتؐ نے **اتخاذ رب** رب بنانے کا مطلب بھی واضح کیا ہے اور یہ بڑی بنیادی تفسیر ہے جو ہمارے لئے ہر قدم پر ایک لمحہ فکریہ پیدا کرتی ہے۔ رب صرف وہی نہیں جس کی حمد وثنا یا پرستش کی جائے۔ پوجا پاٹ تو دراصل اس حقیقت کا مظاہرہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر اطاعت بھی اسی کی کرتے ہیں جس کی پرستش کر رہے ہیں۔ اگر پرستش کسی کی ہو اور اطاعت کسی اور کی تو یہ منافقت ہے اور جھوٹی پرستش ہے۔ طاعت کے بغیر ہر پرستش بے معنی ہے اور اطاعت کا مفہوم یہ ہے کہ مطاع جس چیز کا حکم دے اسے بجالایا جائے اور جس سے روکے رک جایا جائے۔ اور جسے حلال بتائے اسے حلال سمجھا جائے اور جسے حرام قرار دے اسے حرام تصور کیا جائے۔ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار جیسا کہ حضورؐ نے بتایا صرف اسی کو ہے جو رب ہے۔ جو رب نہیں وہ حلال یا حرام کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا۔ اس ربانی حق کو جو اختیار کرے وہ دراصل رب بنتا ہے اور جو کسی کے لئے اس حق کو تسلیم کرے وہ اسے رب بناتا ہے۔ رب چونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لئے تحریم وتحلیل کا حق اس نے کسی انسان کو نہیں دیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کا اختیار نہیں کہ اپنی مرضی سے کسی شے کو حلال یا حرام قرار دیں۔ ایک موقعے پر حضورؐ نے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تو خدا کی طرف سے یوں باز پرس ہوئی کہ تمہارے لئے خدا نے حلال کیا اسے تم حرام کیوں کرتے ہو؟

نصاریٰ یہ کرنے لگے تھے کہ وہ کتاب اللہ (بائبل) سے کسی چیز کی حرمت وحلت معلوم کرنے کے بجائے اپنے علماء ومشائخ کی طرف رجوع کرتے تھے اور بائبل کے خلاف بھی اگر کسی شے کو وہ حلال یا حرام قرار دیتے تو یہ نصاریٰ اسے تسلیم کر لیتے تھے۔ اور بائبل کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

ہم مسلمانوں کے لئے یہ تفسیر نبوی ایک بڑا اہم لمحہ فکریہ پیدا کرتی ہے۔ حضورؐ خود فرماتے ہیں کہ تحلیل وتحریم کا حق کسی غیر اللہ کو دینا اسے رب بنانے کے مترادف ہے۔ اب یہ حق خواہ

دیا جائے یا کسی امام کو یا خود رسول کو سب کا سب یکساں **اتخاذ رب** (رب بنانا) ہے۔ اور ظاہر کہ یہ توحید نہیں بلکہ اسی طرح شرک ہے۔ جس طرح رسول کی عبادت یا امام کی پرستش یا پیر کی پوجا۔ جس طرح بے جان بت اور جاندار انسان کی پوجا شرک ہے اسی طرح اسے حقدار تحلیل وتحریم تسلیم کرنا اور رب بنانا بھی شرک ہے۔

لیکن یہاں ایک بڑی پیچیدگی یہ پیدا ہوتی ہے کہ بہت سی چیزوں کے متعلق قرآن نے خاموشی اختیار کی اور انہیں حلال یا حرام نہیں کیا اور ہماری روایات میں موجود ہے کہ انہی چیزوں کو رسولؐ نے یا خلفائے راشدینؓ نے یا ائمہ مجتہدین نے حرام یا حلال قرار دیا اور ہم انہیں اسی طرح مانتے چلے آتے ہیں۔ تو کیا یہ بھی اتخاذ رب ہے؟ یہاں ایک اور سخت پیچیدگی یہ پیدا ہوتی ہے کہ حلال وحرام کی ایک لمبی فہرست ہماری فقہ میں موجود ہے۔ جس کا وحی الٰہی میں کوئی ذکر نہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اور اسکے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:

اصالتاً وہی چیزیں حلت وحرمت سے تعلق رکھتی ہیں جن کا ذکر وحی الٰہی (کتاب اللہ) میں موجود ہو۔ ان کے علاوہ جن چیزوں کو حلال وحرام قرار دیا گیا ہے وہ یا تو استنباط واجتہاد ہے یا آرڈی ننس یا عملی مشاہدات مثلاً دریائی سانپ کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں مگر اسے صید البحر پر صحیح یا غلط قیاس کیا جاسکتا ہے۔ یہ استنباط واجتہاد ہے۔ یا مثلاً حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں کتابیہ کو نکاح میں لانے سے روک دیا۔ یہ فقط ایک وقتی آرڈی ننس تھا۔ امیر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مصالح وقت یا مصالح امت کے لئے ایسے آرڈی ننس نافذ کردے۔ ایسے آرڈی ننس کثیر المیعاد اور طویل المیعاد دونوں ہوسکتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی مستقل حلت وحرمت سے تعلق نہیں رکھتے۔ یہ آرڈی ننس کی مثال ہے۔ یا مثلاً ایک محقق کو محسوس ہوتا ہے کہ فلاں چیز کے استعمال سے یہ نقصان پہنچتا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو اس کے استعمال سے روک دیا جاتا ہے۔ یہ تجربہ ومشاہدہ کی مثال ہے۔

اس طرح کی باتیں ہیں جن کی وجہ سے کسی شے کو حلال یا حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسے نظم امت باقی رکھنے کیلئے مان بھی لینا چاہئے لیکن ایسی تحلیل وتحریم کوئی مستقل قانون نہیں اس لئے اس میں مصالح وقت کے مطابق ترمیم وتنسیخ بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن خدا کا قائم کردہ حلال وحرام منسوخ نہیں ہوسکتا۔

ہمارے معاشرے میں یہ عجیب رجحان پایا جاتا ہے کہ شرح وقایہ کی کوئی چیز تو کسی حالت میں منسوخ نہیں ہوسکتی لیکن قرآن کی بہت سی آیات منسوخ یا للعجب

مسلمانوں سے کڑوی بات

سید ابوالحسن علی ندوی

ہم مسلمانوں سے کڑوی بات کہتے ہیں۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ تم نے ان باتوں کو مانا تمہارا ان پر ایمان ہے۔ لیکن تم اخلاق و کردار کو چھوڑ کر جانوروں کی سطح پر آ گئے ہو۔ تم اپنے کر اور عمل سے اسلام کو بدنام کرتے ہو۔ اس کے روشن نام کو بٹہ لگاتے ہو۔ تم دنیا کو اسلامی زندگی جو چلتی پھرتی فلم دکھلا رہے ہو وہ بڑی افسوسناک ہے۔ تم نے جو زندگی کا نمونہ پیش کیا ہے اس میں کون سی جاذبیت ہے۔ پہلے تم جس راہ سے گزر جاتے تھے نقش چھوڑ جاتے تھے۔ دیر تک تمہاری خوشبو محسوس ہوتی رہتی تھی، جیسے نسیم کی خوشگواری محسوس ہوتی رہتی ہے۔ مسلمان جدھر سے گزرے گلی کوچے معطر کر گئے اور جہاں سے چلے آئے وہاں سے ان کے پاس سفارتیں بھیجی گئیں ہمارے ملک میں سب کچھ ہے صرف مسلمان نہیں ہیں جنہیں دیکھ کر لوگ اپنی زندگی درست کریں اور جو ان کے مقدمات و معاملات میں بے لاگ فیصلے کریں۔ ان کی خواہش پر وہاں مسلمان پہنچ گئے۔ لیکن افسوس ہے کہ اب تم ایسے بن گئے ہو کہ تمہارے نہ ہونے سے کسی ملک میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ آج تک کسی نے اپنے ملک سے ماہرین فن، ڈاکٹروں اور دستکاروں کو نکالا ہے؟ مشرقی پنجاب میں لوہاروں کی ضرورت تھی تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہاں بسائے گئے۔ اگر میں اخلاقی برتری ہوتی تو اخلاقی برتری کا احساس لوگوں کو مجبور کرتا کہ تمہیں ملک کی امانت سمجھ عزت کے ساتھ رکھیں۔ اگر تمہارے دودھ والے پانی ملانے سے پرہیز کرتے، تمہارے درزی کپڑا بچانے کو عیب سمجھتے، تمہارے دستکار اور مزدور محنت سے پورا دل لگا کر کام کرتے، تمہارے حاکم رشوت کو حرام سمجھتے تو دنیا کا کوئی ملک تمہاری جدائی کو گوارا نہ کرتا۔

☆ ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم نے پیغمبروں کے کام اور پیغام کی بڑی ناقدری کی اس لئے تم ہی مجرم ہو۔ تم اصل سرمایہ چھوڑ کر ذلیل سرمایہ داروں کے ایجنٹ بن گئے۔ تم نے تاجرانہ ذہنیت اپنالی اور بیوپاری بن گئے۔ حالانکہ تمہاری حیثیت بیوپاری اور ملازم کی نہیں تھی۔ یہاں ہندوستان میں داعی کی حیثیت سے آئے تھے۔ لیکن تم نے داعیانہ حیثیت اور اپنے آنے مقصد کھو دیا۔ اگر تم دعوت و محبت کے ساتھ جیتے تو عزت کے ساتھ جیتے اور کامیاب و بامراد رہتے۔ اب تمہاری فلاح اس میں ہے کہ تم اپنی کھوئی ہوئی حیثیت اختیار کرو۔ دنیا کی فلاح

ہیں ہے کہ وہ پیغمبروں کے پیغام کی قدر کرے۔ سیاسی پارٹیاں اور مختلف جماعتیں قیادت کی جنگ اور غلبہ واقتدار کی کشمکش چھوڑ کر زندگی کے اس بگڑے ہوئے نقشہ کو بنانے کی کوشش کریں اور اپنے اپنے متعلقین اور دوستوں کی بجائے ساری انسانیت کی فکر کریں کہ اُس کے سدھار کے بغیر کسی کو چین اور امن حاصل نہیں ہوسکتا۔

☆ ہم مسلمان یہ بات علی الاعلان اور ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں حکم چلانے اور مسند بٹانے نہیں آئے تھے۔ ہم ان ملکوں کو چھوڑ کر جو خود دولت سے بھرے ہوئے تھے یہاں کی دولت میں حصہ بٹانے نہیں آئے تھے۔ بلکہ ہم ایک مشن اور ایک خدمت پر آئے تھے۔ ہم یہاں خدا کے بندوں کو خدا کا بندہ بنانے آئے تھے۔ یہاں جو مسلمان آئے تھے وہ اخلاق، محبت اور خدا پرستی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ انہوں نے اس ملک کو کچھ دیا ہے لیا نہیں ہے کیونکہ وہ یہاں سے کچھ لینے نہیں آگئے تھے بلکہ اس کو کچھ دینے آئے تھے۔ وہ یہاں رہنے آئے تھے یہاں سے جانے کے لئے نہیں آئے تھے۔ اگر وہ ایسا سوچتے تو اٹالہ کی ایسی شاندار و پائیدار مسجد نہ بناتے۔ وہ تو خدا پرستی اور انسان دوستی کی دعوت دیتے تھے۔ کہاں کے عرب کہاں کے عجم، یہ سب ہماری بنائی ہوئی خودساختہ حدیں ہیں۔ مسلمان ساری دنیا کے خالق و مالک اور رازق اور ساری دنیا کو بغیر شرکت چلانے والے اللہ کی طرف سے یہ تعلیم لائے تھے۔ انہوں نے دنیا سے کچھ لئے بغیر ساری دنیا کی خدمت کی۔ انہوں نے سچے موتیوں سے انسانیت کی جھولی بھر دی اور اپنے ہاتھ خالی رکھے۔ اپنے بچوں کی مطلق فکر نہ کی اور اپنے کنبے کی طرف سے آنکھیں بند کر کے پیٹ پر پتھر باندھ باندھ کر لوگوں کی سیوا کی۔ ان کی تکلیفوں کو راحتوں سے بدلا۔ جو کچھ آیا غرباء میں تقسیم کر دیا۔ ضرورت مندوں کی جھولیاں بھریں۔ انہیں خادم اور ملازم دیئے اور اپنے بچوں کو بالکل محروم رکھا۔ ایک دفعہ جناب رسول اللہ ﷺ چٹائی پر لیٹے تھے جس کی وجہ سے جسم اطہر پر نشان پڑ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو کہا ''اللہ اکبر، آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہو کر اس تکلیف میں رہیں اور دنیا کا خون چوسنے والے ظالم قالینوں اور مسہریوں پر آرام کریں'' یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عمر! عیش تو آخرت کا عیش ہے''۔

رضا کی حقیقت کا بیان

امام ابو حامد ا...

عزیزم! بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت و بلا اور مصیبت و رنج میں مبتلا ہو کر ان پر راضی رہنا ممکن ہی نہیں۔ بس زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انسان صبر کرے۔ لیکن یہ عقیدہ لوگوں کی غلطی اور خطا ہے کیونکہ جب محبت غالب ہو تو خواہش کے خلاف راضی رہنا ممکن ہے اور یہ بات دو طرح سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ آدمی عشق میں ایسا مستغرق ہو جائے کہ اسے تکلیف اور درد کی خبر ہی نہ ہو جیسے کوئی آدمی جو جنگ میں غصہ کے غلبہ کی وجہ سے ایسا منہمک اور مشغول ہو جاتا ہے کہ جسم پر لگنے والے زخموں کے درد کا احساس بھی نہیں ہوتا جب تک کہ اپنی آنکھوں سے خون نہ دیکھ لے۔ اسی طرح دنیا کے لئے میں دوڑنے والے شخص کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھ جائے تو اسے خبر نہیں ہوتی اور جب دل ہوس و خواہش میں مبتلا ہو تو آدمی کو بھوک اور پیاس کا خیال نہیں رہتا۔ جب یہ باتیں مخلوق کے عشق اور دنیا کے لالچ میں ممکن ہیں تو پھر حق تعالیٰ کے عشق اور آخرت کی محبت میں کیسے ممکن نہ ہونگی پھر جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ باطن کا حسن ظاہر کے حسن سے بہت بڑا ہے کیونکہ ظاہری صورت تو اس کھال کی طرح ہے جو گھوڑے پر بھی منڈھ دی جاتی ہے۔ باطنی آنکھ جو جمال باطنی کا مشاہدہ کرتی ہے ظاہری آنکھ سے کہیں زیادہ روشن اور تیز ہے اس لئے کہ ظاہری آنکھ اکثر خطا کرتی ہے کہ کبھی بڑی چیز کو چھوٹی اور دور کو نزدیک دیکھتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر درد اور تکلیف کا احساس ہو بھی تو یہی سمجھتا ہے کہ جب دوست اس میں راضی ہے تو یہی سہی ہم بھی اسی پر راضی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی دوست حکم دیتا ہے کہ اپنے جسم سے خون نکال یا فلاں کڑوی دوا کھالے تو اس اذیت میں بھی وہ اس لئے راضی رہتا ہے تاکہ اس حیلہ سے اپنے دوست کی رضامندی حاصل ہو۔ پس جو شخص اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رضامندی اسی میں ہے کہ بندہ اس کی رضا پر راضی رہے تو وہ بیماری، محنت، مصیبت اور آزمائش میں بھی راضی رہے گا۔ جس طرح ایک لالچی انسان

یادی نفع کی امید پر دریاؤں کے خطرات اور بہت سی مشقتوں کی پرواہ نہیں کرتا اور یقین
ر کہ بہت سے بندگان خدا اس درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں، جیسے حضرت فتح موصلی کی بیویؒ کا
ن چوٹ لگنے سے اکھڑ گیا وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت فتح موصلیؒ نے ان سے پوچھا کیا تمہیں
د نہیں ہو رہا؟ آپ نے جواب دیا کہ ثواب کی خوشی میں مجھے درد کا احساس نہیں ہوا۔
حضرت سہیل تستریؒ کو ایک تکلیف تھی وہ اس کا علاج نہ کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا
پ اس کی دوا کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا دوستو! تمہیں علم نہیں کہ دوست کا لگایا ہوا زخم درد
یں کرتا..... حضرت جنیدؒ نے کہا ہے کہ حضرت سری سقطی قدس سرہ سے میں نے پوچھا۔
محبّ خدا ہوتا ہے وہ مصیبت پر غمزدہ ہوتا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں، میں نے کہا اگر اسے تلوار
دیں تو؟ فرمایا اگرچہ ستر زخم تلوار سے لگائے جائیں پھر بھی غمزدہ نہ ہوگا۔ خدا کے ساتھ
محبت کرنے والے کا قول ہے کہ جس چیز کو حق تعالیٰ پسند کرے میں بھی اسے پسند کرتا
ں حتیٰ کہ اگر وہ یہ چاہے کہ میں دوزخ میں جاؤں تو میں اس پر بھی راضی ہوں اور دوزخ
بھی دوست رکھوں گا....... حضرت بشر حافی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ کسی نے بغداد میں
شخص کو ایک ہزار لاٹھیاں ماریں اور اس نے اف بھی نہ کیا۔ میں نے پوچھا اے شخص اس
ستم و ستم پر بھی تمہارے منہ سے اف تک نہ نکلی۔ آخر یہ کیسے اور کیوں؟ کہنے لگا اس لئے کہ
امعشوق سامنے تھا اور دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے کہا۔ اور اگر وہ سب سے بڑا معشوق
منے ہوتا تو پھر کیا کرتا۔ یہ سنتے ہی اس نے چیخ ماری اور گر پڑا دیکھا تو مر چکا تھا۔ اور انہی
ے روایت ہے کہ میں ابتدائے حال میں شہر عباداں کی طرف سے جا رہا تھا کہ ایک کوڑھی
وب دیکھا کہ زمین پر پڑا ہے اور چیونٹیاں اس کا گوشت کھا رہی ہیں۔ میں نے ترس کھا
اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ جب اسے ہوش آیا تو کہنے لگا۔ ''یہ کون واہیات
ی ہے جس نے میرے اور میرے خالق کے درمیان مداخلت کی ہے''۔ قرآن شریف
موجود ہے کہ جو عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے گئی تھیں، جب انہوں نے
رت یوسف علیہ السلام کے جمال کی عظمت کو دیکھا تو مدہوش ہو گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ
لیکن انہیں خبر بھی نہ ہوئی اور مصر میں جب قحط پڑا تو کتنے ہی لوگ ایسے تھے جو بھوک

کی شدت کے وقت جاتے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کرتے تو...
بھول جاتے۔اس سے اندازہ کیجئے کہ جب مخلوق کے جمال میں یہ تاثیر ہے تو پھر...
تعالیٰ کے جمال کا کشف ہو جائے وہ اگر تمام مصیبتیں اور پریشانیاں بھول جائے تو...
تعجب والی کیا بات ہے؟ ایک شخص جنگل میں رہتا تھا اور خدا کے ہر حکم پر راضی ہو...
اسی میں خیر ہے۔اس کے پاس ایک کتا تھا جو گھر کی رکھوالی کرتا، ایک گدھا بوجھ...
لئے رکھا ہوا تھا، اور ایک مرغ صبح کے وقت بیدار کرنے کے لئے رکھا ہوا تھا۔ایک...
بھیڑیئے نے آکر گدھے کا پیٹ پھاڑ دیا۔اس شخص نے کہا ''خیر اسی میں ہے''۔دو...
دن اپنے ہی کتے نے مرغ کو مار ڈالا تو وہ بولا ''خیر اسی میں ہے''۔وہ کتا بھی کسی...
گیا تو پھر اس شخص نے کہا ''اسی میں خیر ہے''۔اس کے اہل وعیال رنجیدہ ہو کر کہنے...
یہ کیا ہوا کہ جو کوئی حادثہ گزرتا ہے تم کہہ دیتے ہو ''اسی میں خیر ہے''۔حالانکہ...
ہمارے ہاتھ پاؤں تھے وہ ہلاک ہو گئے اور تم پھر بھی یہی کہہ رہے ہو کہ ''اسی میں خیر...
اس نے کہا ''میں تو اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ خیر اسی میں ہے''۔دوسرے دن جو...
کے گرد و پیش میں بالکل خاموشی اور سناٹا تھا۔دیکھا تو معلوم ہوا کہ گرد و نواح کے تما...
کو ڈاکوؤں نے قتل کر کے ان کے مال واسباب کو لوٹ لیا ہے۔کتے اور مرغ کی...
ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی جان اور مال بچ گیا کہ ڈاکوؤں کو اس گھر کا علم ہی نہ ہو...
مرد خدا نے اہل وعیال سے کہا۔تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں بہتری ہوتی...

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک ایسے آدمی پر گزر ہوا جو اندھا، کوڑھی اور برص کی...
میں مبتلا تھا اس کے دونوں ہاتھوں پر فالج گرا ہوا تھا۔وہ بے دست و پا پڑا ہو کہہ رہا تھا...
خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اس بلا سے محفوظ رکھا جس میں بہت سی مخلوق مبتلا...
''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا'' وہ کون سی بلا باقی ہے جس سے خدا نے...
محفوظ رکھا ہے؟ اس نے کہا ''میں اس شخص کی بہ نسبت یقیناً عافیت میں ہوں جس کے...
میں خدا نے وہ معرفت نہیں پیدا کی جو میرے دل میں پیدا کی ہے''۔حضرت عیسیٰ علیہ...
نے فرمایا کہ تو نے واقعی سچ کہا۔پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ فور...

بھلا تندرست ہو گیا اور اٹھ بیٹھا اور خوبصورت و بینا ہو گیا پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عبادت کیا کرتا.... حضرت شبلیؒ کو لوگوں نے دارالشفاء میں رکھا۔ یعنی دیوانہ سمجھ کر پاگل خانے میں بند کر دیا۔ کچھ لوگ ان سے ملنے آئے تو آپؒ نے پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگے ہم آپ کے دوست ہیں۔ پس حضرت شبلیؒ انہیں پتھر مارنے لگے تو وہ بھاگے۔ آپ نے فرمایا! تم دوستی کے دعوے میں جھوٹے ہو کیونکہ اگر واقعی میرے دوست ہوتے تو میری بلا اور مصیبت پر صبر کرتے۔

فصل

بعض لوگوں نے یہاں تک کہا ہے کہ خدا کی رضا کی شرط یہ ہے کہ دعا بھی نہ کی جائے۔ جو کچھ حاصل نہیں ہے وہ حق تعالیٰ سے طلب نہ کرے اور جو کچھ حاصل ہے اس پر راضی رہے اور گناہ و فسق و فجور دیکھ کر بھی برا نہ منائے کیونکہ وہ بھی اللہ کے حکم سے ہے اور جس شہر میں جرم و گناہ کا دور دورہ ہو یا وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے فرار نہ ہو کیونکہ یہ قضائے الٰہی سے گریز کے مترادف ہے لیکن یہ سب کچھ کہنا غلط ہے کیونکہ دعا تو خود رسول مقبول ﷺ نے بھی مانگی ہے اور لوگوں کو ترغیب دے کر فرمایا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اور حقیقت میں دعا کے سبب سے رقت، عاجزی اور انکساری اور حق تعالیٰ سے التجا اور فریاد کی خواہش پیدا ہوتی اور ان تمام صفات کے نیک اور محمود ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور جس طرح پیاس بجھانے کے لئے پانی پینا، بھوک مٹانے کے لئے روٹی کھانا اور سردی سے محفوظ رہنے کے لئے کپڑے پہننا رضا کے خلاف نہیں اسی طرح مصیبت کے دور کرنے کے لئے دعا مانگنا بھی رضا کے خلاف نہیں۔ البتہ جس شئے کو حق تعالیٰ نے سبب قرار دیا ہو اور اس کے کرنے کا حکم دیا ہو اس کی تعمیل نہ کرنا ضرور خلاف رضا ہے۔ اور گناہ پر راضی رہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے جبکہ گناہ پر راضی رہنا شرعاً ممنوع ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ پر راضی رہے گا وہ گویا گناہ میں شریک ہے اور فرمایا اگر کسی انسان کو مشرق میں ناحق قتل کیا جائے اور مغرب میں کوئی شخص اس کے قتل پر راضی ہو تو گویا وہ بھی اس قتل میں شریک ہے۔ پس اگرچہ گناہ قضائے الٰہی ہے لیکن اس کے ہمیشہ دو رخ ہیں۔ ایک بندے کی طرف

اس طرح کہ اس کے اختیار میں ہے۔ علامت اس کی یہ ہے کہ بندے میں بھی صفات موجود ہیں۔ اور دوسرا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ گناہ بھی قضا و قدر الٰہی سے ہوتا پس اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ نے حکم کیا ہے کہ دنیا کفر و معصیت سے خالی نہ رہے۔ راضی رہنا چاہیے مگر اس وجہ سے کہ بندے کے اختیار میں ہے اور اس کی صفت ہے راضی نہ ہونا چاہیے اور اس کی علامت یہ ہے کہ خدا خود گناہ کو دشمن رکھتا ہے اور اس بات میں کسی قسم کا تناقض ہرگز نہیں۔ اگر کسی شخص کا ایک ایسا دشمن مر جائے کہ وہ اس کے دشمن کا دشمن ہو تو وہ شخص غمگین بھی ہوگا اور خوش بھی۔ اس حالت میں خوشی کا سبب اور ہے اور غم کا سبب اور ہے اور تناقض اس صورت میں ہوتا ہے جب خوشی اور غم دونوں کا سبب ایک ہوتا۔

علیٰ ہذا القیاس جہاں گناہ کی کثرت ہو وہاں سے بھاگ جانا بھی لازمی اور ضروری جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اے میرے رب نکال ہمیں اس قریہ سے کہ اس کے باشندے ظالم ہیں" اور جس بستی میں گناہ کی کثرت ہوئی اس سے اگلے بزرگ بھی نکل تھے کیونکہ معصیت سرایت کرتی ہے اور اگر معصیت سرایت نہ بھی کرے تو اس کی عقوبت اور اس کے باعث نازل ہونے والا عذاب سب کو لے مرتا ہے۔ فرمایا ہے۔ "اس فتنہ اپنے آپ کو بچاؤ کہ جو صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچتا"۔ اور اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر ہو جہاں اس کی نگاہ نامحرم پر پڑتی ہو تو وہاں سے اس کا بھاگ جانا رضا کے خلاف نہیں۔ طرح اگر کسی شہر میں تنگی اور قحط پیدا ہو تو وہاں سے نکل جانا درست ہے۔ مگر جہاں طاعون وہاں سے نکل بھاگنے کی ممانعت ہے اس لئے کہ اگر تندرست لوگ نکل جائیں گے تو لوگ تباہ اور خراب ہونگے لیکن دوسری بلاؤں اور آفتوں میں ایسا حکم نہیں۔ بلکہ حکم مطابق اس کی تدبیر کرنا چاہیے اور حکم کے موافق اس کی تدبیر کرنے کے بعد جو کچھ حکم الٰہی اس پر راضی رہنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ اسی میں خیر ہے۔

اسلامی نظام تہذیب کے رہنما اصول

صائمہ طالب

یہ کرہ زمین جس پر ہم آپ رہتے ہیں خدا کی عظیم الشان سلطنت کا ایک چھوٹا سا صوبہ ہے۔ اس صوبے میں خدا کی طرف سے جو پیغمبر بھیجے گئے ہیں ان کی حیثیت کچھ اس طرح کی سمجھ لیجئے جیسے دنیا کی حکومتیں اپنے ماتحت ملکوں میں وائسرائے یا گورنر بھیجا کرتی ہیں۔ ایک لحاظ سے دونوں میں بھاری فرق ہے۔ دنیوی حکومتوں کے گورنر اور وائسرائے صرف ملکی انتظام کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں لیکن سلطان کائنات کے گورنر اور وائسرائے اس لئے مقرر ہوتے ہیں کہ انسان کو صحیح تہذیب، پاکیزہ اخلاق اور سچے علم و عمل کے وہ اصول بتائیں جو روشنی کے مینار کی طرح انسانی زندگی کی شاہراہ پر کھڑے ہوئے صدیوں تک سیدھا راستہ دکھاتے۔ مگر اس فرق کے باوجود دونوں میں ایک طرح کی مشابہت بھی ہے۔ دنیا کی حکومتیں گورنری جیسی ذمہ داری جیسے منصب ان ہی لوگوں کو دیتی ہیں جو ان کے سب سے زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں۔ ایسا ہی حال خدا کی سلطنت کا بھی ہے وہاں بھی پیغمبری جیسے ذمہ داری کے منصب پر وہی لوگ مقرر ہوئے ہیں جو سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ جب انہیں اس منصب پر مقرر کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو اپنی سلطنت کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا اور ان پر کائنات کے وہ اسرار ظاہر کر دیئے جو عام انسانوں پر ظاہر نہیں کئے جاتے۔

اسی نوعیت کے تجربات میں سے ایک وہ چیز ہے جس کو معراج کہتے ہیں۔ قرآن کی سترہویں سورت میں ہمیں اسکی تفصیل ملتی ہے اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے میں مکے کے لوگوں کو خبردار کیا گیا کہ تم اپنی تاریخ میں دو زبردست ٹھوکریں کھا چکے ہو اور دو قیمتی مواقع کھو چکے ہو اب تیسرا موقع ملنے والا ہے اور یہ آخری موقع ہے۔

دوسرے حصے میں وہ بنیادی اصول بتائے گئے جس پر انسانی تمدن و اخلاق کی تعمیر ہونی چاہیے یہ چودہ اصول ہیں۔

1۔ صرف اللہ کی بندگی کی جائے اور اقتدار اعلیٰ میں اسکے ساتھ کسی کی شرکت تسلیم نہ کی

جائے۔

2- تمدن میں خاندان کی اہمیت ملحوظ رکھی جائے، اولاد والدین کی فرمانبردار، خدمت گزار ہو، رشتہ دار ایک دوسرے کے ہمدرد و مددگار ہوں۔

3- سوسائٹی میں جو لوگ غریب یا معذور ہوں یا اپنے وطن سے باہر مدد کے محتاج ہوں بے وسیلہ نہ چھوڑ دیئے جائیں۔

4- دولت کو فضول ضائع نہ کیا جائے جو مال دار اپنے روپے کو برے طریقے سے خرچ کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔

5- لوگ اپنے خرچ کو اعتدال پر رکھیں۔ نہ بخل کر کے دولت کو روکیں اور نہ فضول خرچی کر کے اپنے لئے اور دوسرے کے لئے مشکلات پیدا کریں۔

6- رزق کی تقسیم کا جو قدرتی انتظام خدا نے کیا ہے انسان اس میں مصنوعی طریقوں سے خلل نہ ڈالے۔

7- معاشی مشکلات کے خوف سے لوگ اپنی نسل کی افزائش نہ روکیں۔ جس طرح موجودہ نسلوں کے رزق کا انتظام خدا نے کیا ہے آنیوالی نسلوں کے لئے بھی وہی انتظام کرے گا۔

8- خواہش نفس کو پورا کرنے کے لئے زنا کا راستہ برا راستہ ہے اس سے بچا جائے اور اسکے قریب جانوالے اسباب کا راستہ بند کیا جائے۔

9- انسانی جان کی حرمت خدا نے قائم کی ہے لہٰذا خدا کے مقرر کردہ قانون کے سوا کسی دوسری بنیاد پر آدمی کا خون نہ بہایا جائے۔ نہ کوئی اپنی جان دے، نہ دوسرے کی جان لے۔

10- یتیموں کے مال کی حفاظت کی جائے۔ جب تک وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوں۔ ان کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

11- عہد و پیماں کو پورا کیا جائے۔ انسان اپنے معاہدے کے لئے خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔

12- تجارتی معاملات میں ناپ تول ٹھیک ٹھیک راستی پر ہونا چاہیے اوزان اور پیمانے

رکھے جائیں۔

13- جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اسکی پیروی نہ کرو۔ وہم اور گمان پر نہ چلو کیونکہ آدمی کو اپنی تمام قوتوں کے متعلق خدا کے سامنے جواب دہی کرنی ہے کہ اس نے انہیں کس طرح استعمال کیا۔

14- نخوت اور تکبر کے ساتھ نہ چلو، غرور کی چال سے نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں سے اونچا ہو سکتے ہو۔

یہ چودہ اصول جو ہدایت کی معراج ہیں آنحضرت ﷺ کو دیئے گئے تھے ان کی حیثیت صرف اخلاقی تعلیمات ہی کی نہ تھی بلکہ یہ وہ پروگرام تھا جس پر آپ ؐ کو آئندہ سوسائٹی کی تعمیر کرنی تھی۔ یہ ہدایات اس وقت دی گئی تھیں جب آپ ؐ کی تحریک عنقریب تبلیغ کے مرحلے سے گزر کر حکومت اور سیاسی اقتدار کے مرحلے میں قدم رکھنے والی تھی۔ گویا یہ ایک آئین تھا جس میں بتایا گیا کہ خدا کا پیغمبر ان اصولوں پر تمدن کا نظام قائم کرے گا اسی لئے معراج میں یہ 14 نکات مقرر کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے تمام پیروان اسلام کے لئے پانچ وقت کی نماز فرض کی تا کہ جو لوگ اس پروگرام کو عمل کا جامہ پہنانے کے لئے اٹھیں۔ ان میں اخلاق و انضباط پیدا ہو اور وہ اللہ سے غافل نہ ہونے پائیں۔ ہر روز پانچ مرتبہ ان کے ذہن میں یہ بات تازہ ہوتی رہے کہ وہ خود مختار نہیں ہیں بلکہ ان کا حاکم اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کے سامنے انہیں اپنے کام کا حساب دینا ہے۔ مسلمان کے کردار کی تعمیر میں نماز اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔ اس لئے یہ کسی بھی حالت میں معاف نہیں کی گئی۔ ایک مومن کی پہچان بھی نماز ہی ٹھہرائی گئی ہے اور شب معراج میں عطا کیا گیا اللہ تعالیٰ کا یہ تحفہ مومنین کے لئے بذات خود معراج بن جاتا ہے۔ نماز کی بنیادی اہمیت اس امر سے بھی واضح ہے کہ کلمہ طیبہ کے بعد اولین فرض ادائیگی نماز ہے اور قیامت کے دن سب سے پہلے نماز ہی کا حساب پوچھا جائے گا۔ حضور ﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رہنا چاہیے کہ جس نے نماز کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے گرا دیا اس نے دین کو گرا دیا۔

الحاد کو شکست فاش

ہارون یحیٰ

انسانی تاریخ میں کئی اہم موڑ گزر چکے ہیں۔ ہم بھی ایسے ہی ایک تاریخی موڑ میں جی رہے ہیں۔ کچھ لوگ اس عہد کو ''عالمگیریت'' کا نام دے رہے ہیں جبکہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ ''عہد اطلاعات'' ہے۔ یہ باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں مگر ان کے علاوہ بھی ایک تصور ہے جو کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ کچھ لوگ اس سے بے خبر ہیں لیکن یہ بھی ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ گزشتہ بیس سے پچیس سال کے دوران سائنس اور فلسفے کے میدان میں بھی نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ الحاد (خدا کے وجود سے انکار) جو انیسویں صدی عیسوی سے فلسفے اور سائنس کی دنیا پر حاوی رہا ہے، آج حتمی شکست اور تباہی کی جانب بڑھ رہا ہے۔

بے شک، الحاد یا خدا کے وجود کو تسلیم نہ کرنے کا تصور زمانہ قدیم سے ہمیشہ موجود رہا ہے تاہم اسے اٹھارہویں صدی عیسوی کے یورپ میں اس وقت عروج حاصل ہونا شروع ہوا جب وہاں پر بعض مذہب مخالف مفکرین کے فلسفے نے شدت کے ساتھ سیاسی اثر رسوخ اور عوامی مقبولیت حاصل کرنا شروع کی۔ ڈائڈروٹ اور بیرن ڈی ہولباخ جیسے مادہ پرستوں نے کہا کہ کائنات محض مادے کا ایک مجموعہ ہے جو ہمیشہ سے موجود ہے، اور یہ کہ مادے کے سوا کوئی دوسری چیز وجود نہیں رکھتی۔ انیسویں صدی میں الحاد کا اثر مزید پھیل گیا۔ مارکس، اینجلز، نطشے، ڈرکھائیم اور فرائڈ جیسے دہریت پرست مفکرین نے اپنی الحادی سوچ کا اطلاق سائنس اور فلسفے کے مختلف شعبوں پر کیا۔

البتہ الحاد کو سب سے زیادہ حمایت چارلس ڈارون کی جانب سے میسر آئی جس نے تخلیق کے تصور کو مسترد کرتے ہوئے نظریہ ارتقاء پیش کیا تاکہ اسے تصور تخلیق کے مد مقابل کھڑا کیا جائے۔ ڈارون نے اپنے تئیں اس سوال کا ''سائنسی جواب'' پیش کیا جس نے الحاد پرستوں کو ایک مدت سے پریشان کر رکھا تھا: ''انسان اور دوسری جاندار اشیاء کیسے وجود میں آئیں؟'' اس نظریے نے ان گنت لوگوں کو اس بات پر قائل کر لیا کہ نظام فطرت میں ایک ایسا عملی نظام (مکینزم) موجود ہے جس نے بے جان مادے کو جاندار بنایا اور اس سے کروڑوں جاندار انواع پیدا کیں۔

انیسویں صدی کے اختتام پر الحاد پرستوں نے ایک ''آفاقی منظر نامہ'' ترتیب دیا جو ان

اپنے خیال میں ہر چیز کی وضاحت فراہم کرتا تھا۔ انہوں نے یہ کہتے ہوئے تخلیق کائنات کے تصور سے انکار کیا کہ یہ (کائنات) ہمیشہ سے موجود ہے اور اس کی کوئی ابتدا نہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ کائنات کا کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ اس میں نظر آنے والا نظم و ضبط محض ایک ''اتفاق'' (Chance) کا حاصل ہے۔ انہیں پورا یقین تھا بنی نوع انسان اور دیگر جاندار انواع کی ابتداء کے بارے میں اہم ترین سوال کا جواب ڈارونزم نے دے دیا ہے۔ انہیں بھرپور اطمینان تھا کہ مارکس اور ڈرکھائم نے تاریخ و عمرانیات کی، جبکہ فرائیڈ نے نفسیات کی وضاحت الحاد کے مفروضات کی بنیاد پر مکمل کر دی ہے۔

البتہ بعد ازاں بیسویں صدی میں سائنسی ترقی اور سیاسی و معاشرتی بیداری نے ان نقطہ ہائے نظر کو غلط ثابت کر دیا۔ فلکیات، حیاتیات، نفسیات اور عمرانیات وغیرہ جیسے عملی میدانوں میں پے در پے متعدد اور متنوع دریافتوں نے الحاد پرستی کی بنیاد بننے والے تمام مفروضات کی نفی کر دی ہے۔ جارج واشنگٹن یونیورسٹی کے امریکی اسکالر پیٹرک گلائن اپنی کتاب God: The Evidence, The Reconciliation of Faith and Reason in Postsecular World میں لکھتے ہیں:

''گزشتہ دو عشروں کی تحقیق نے وجود باری تعالیٰ کے بارے میں جدید لادین اور ملحد مفکرین کی ابتدائی نسل کے پیش کردہ تقریباً تمام اہم مفروضات اور پیش گوئیوں کو الٹ کر رکھ دیا ہے۔ جدید (ملحد) مفکرین نے فرض کر لیا تھا کہ سائنس، کائنات کو مزید بے ترتیب اور میکانکی ثابت کرے گی۔ اس کے برعکس، سائنس نے انتہائی نازک اور نپے تلے توازن کی مزید نئی، اور غیر متوقع تہیں (Layers) دریافت کی ہیں جو تقریباً ناقابل تصور حد تک وسیع اور جامع صورت گری (ڈیزائن) پر بانگ دہل دلالت کرتی ہیں۔ جدید ماہرین نفسیات نے پیش گوئی کی تھی کہ مذہب ایک اعصابی خلل اور خام خیالی ثابت ہوگا، لیکن (آج) تجرباتی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مذہبی وابستگی، بنیادی دماغی صحت کا ایک اہم جزو ہے۔

''کچھ لوگ اسے محسوس کرتے نظر آتے ہیں مگر اب یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ سائنس اور عقیدے کے مابین ایک صدی سے جاری اس بحث میں پانسہ مکمل طور پر پلٹ چکا ہے۔ ڈارون کی تقلید میں ہکسلے اور رسل جیسے ملحدین اس جانب اشارہ کر سکتے تھے جو زندگی کو ''خوشگوار اتفاق'' اور

کائنات کو عقلی اعتبار سے قابل فہم ثابت کرنے والے نظریئے کے حق میں جانے والی شہادتیں محسوس ہوتی تھیں۔ بہت سے دانشور اور سائنس داں آج بھی اسی نقطہ نگاہ سے ... ہوئے ہیں۔ مگر ان پر مسلسل بڑھتے ہوئے دباؤ نے انہیں مجبور کر دیا ہے کہ اس کا دفاع کرنے کے لئے نامعقولیت کی حدود سے گزر جائیں۔ آج ٹھوس معلومات بڑی شدت سے خدا ... مفروضے (کے درست ہونے) کی جانب اشارہ کر رہی ہیں۔''

سائنس، جسے مادہ پرستی والحاد کے حق میں ایک ستون کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا، اس ... مخالف ثابت ہو گئی ہے۔ جیسا کہ ایک اور مصنف برائس کرسٹن سن لکھتے ہیں: ''سخت گیر مادہ پر ... جو تمام مقصد، اختیار اور روحانیت کو دنیا سے خارج کر دے، وہ ان تمام معلومات (ڈیٹا) کی وضاحت کر ہی نہیں سکتی جو تجربہ گاہوں اور رصد گاہوں سے مسلسل حاصل ہو رہی ہیں۔''

اس مضمون میں ہم ان نتائج کا مختصراً تجزیہ کریں گے جن پر سائنس کی مختلف شاخیں (اب تک) اس معاملے میں پہنچ چکی ہیں اور جائزہ لیں گے کہ آئندہ ''بعد از الحاد'' زمانے ... انسانیت کو کیا حاصل ہو گا۔

کونیات: لافانی کائنات کا خاتمہ اور تخلیق کی دریافت

بیسویں صدی میں سائنس کے ہاتھوں الحاد پرستی پر پڑنے والی پہلی ضرب کونیات کے میدان سے تھی۔ یہ خیال کہ کائنات ہمیشہ سے ہے۔ غلط ثابت ہو گیا اور دریافت ہوا کہ اس (کائنات) کی بھی ایک ابتداء تھی۔ دوسرے الفاظ میں، سائنسی طور پر ثابت ہوا کہ کائنات ''عدم'' (Nothingness) سے تخلیق کی گئی تھی۔

مغربی دنیا میں لافانی کائنات کا تصور، مادہ پرستانہ فلسفے کے ساتھ وارد ہوا۔ یہ فلسفہ جو قدیم یونان میں وضع کیا گیا تھا، بتاتا ہے کہ مادے کے سوا کوئی چیز وجود نہیں رکھتی۔ اور یہ کہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ قرون وسطیٰ میں مغربی فکر پر کلیسا کا غلبہ رہا اور یوں مادہ پرستی کو بھلا دیا گیا۔ البتہ قدرے جدید زمانے میں مغربی سائنس داں اور فلسفی تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر قدیم یونانی تصورات کے سحر میں گرفتار ہوئے اور انہوں نے مادہ پرستی میں دلچسپی کو از سرِ نو جلا بخشی۔

دورِ جدید میں کائنات کی مادہ پرستانہ توجیح پیش کرنے والا اولین شخص ایک جرمن فلسفی

ایمانوئیل کانٹ تھا۔ اگر چہ وہ فلسفیانہ اعتبار سے مادہ پرست نہیں تھا مگر اس نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ کائنات لافانی ہے اور کوئی بھی امکان صرف اسی ہمیشگی میں رہتے ہوئے حقیقت میں بدل سکتا ہے۔ انیسویں صدی کی آمد کے ساتھ وسیع طور پر یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ کائنات کی کوئی ابتداء نہیں ہے اور تخلیق کا کوئی لمحہ نہیں تھا۔ پھر اسی تصور کو کارل مارکس اور فریڈرک اینجلز جیسے عقلی مادہ پرستوں نے محبت و عقیدت کے ساتھ قبول کیا اور بیسویں صدی تک پہنچایا۔

یہ خیال الحاد پرستی کے ساتھ ہمیشہ ہم آہنگ رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر کائنات کی ابتداء کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کائنات کو خدا نے تخلیق کیا ہے۔ اس حقیقت سے انکار کا یہی راستہ تھا کہ کائنات کے ''لافانی'' ہونے کا دعویٰ کیا جائے، چاہے اس دعوے کی کوئی سائنسی بنیاد بھی نہ ہو۔ اس دعوے کا ایک متشدد حامی، جیورجس پولٹزر تھا جس نے بیسویں کے ربع اول میں مادہ پرستی اور مارکس ازم کے حمایتی کی حیثیت سے مقبولیت حاصل کی۔ اس ضمن میں اس کی کتاب ''فلسفے کے بنیادی اصول'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ لافانی کائنات کے تصور کو درست مانتے ہوئے۔ پولٹزر نے ان الفاظ میں تخلیق کی مخالفت کی:

''کائنات کوئی تخلیق شدہ شے نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو خدا اسے اچانک ہی عدم سے وجود میں لایا ہوتا۔ تخلیق کو قبول کرنے کے لئے، سب سے پہلے ایسے کسی لمحے کا تصور کرنا ہوگا جب کائنات موجود نہیں تھی، اور یہ بھی کہ عدم سے کوئی چیز وجود میں آ گئی۔ اسی ''کوئی چیز'' کو سائنس قبول نہیں کرسکتی''۔

تخلیق کے برخلاف، لافانی کائنات کے تصور کی حمایت کرتے ہوئے پولٹزر کا خیال تھا کہ سائنس اس کے حق میں ہے۔ البتہ جلد ہی وہ حقیقت بھی ثابت ہوگئی جو پولٹزر کے اپنے الفاظ میں خدا کے وجود کو قبول کرنے کے لئے اہم ترین شرط تھی...... یہ ثابت ہوگیا کہ کائنات کی ابتداء ہوئی ہے اور کوئی لافانی شے نہیں ہے۔

یہ ثبوت ''بگ بینگ'' نظریئے کے نتیجے میں سامنے آیا، جو شاید بیسویں صدی کی فلکیات میں اہم ترین تصور بھی ہے۔

بگ بینگ نظریہ متعدد پے در پے دریافتوں کے بعد تشکیل دیا گیا۔ 1929ء میں امریکی ماہر فلکیات ایڈون ہبل نے دریافت کیا کہ تمام کہکشائیں (بطور مجموعی) ایک دوسرے سے دور ہٹ

رہی ہیں اور یہ کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ اگر کائنات کے پھیلاؤ میں وقت کی سمت الٹ جائے تو انکشاف ہوگا کہ ساری کائنات یقینی طور پر ایک نقطے سے وجود میں آئی ہے۔ جن دریافت کا تجزیہ کرنے والے ماہرین کو جلد ہی اس حقیقت سے بھی سامنا ہوا کہ یہ "ایک جس کی ابتداء میں کائنات سمٹی ہوئی تھی، ایک ایسی "مابعد الطبیعی" حالت تھی کہ جس میں لا کشش ثقل تھی اور مادہ موجود ہی نہ تھا۔ یعنی سارا مادہ اور وقت ایک ایسے نقطے سے وجود میں آ جس کی کوئی کمیت نہیں تھی۔ آسان الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کائنات "عدم" سے وجود میں آئی۔

وہ ماہرین فلکیات جنہوں نے مادہ پرستانہ فلسفے پر ڈٹے رہنے کا تہیہ کر رکھا ہے (اور جن اساس میں لافانی کائنات کا تصور موجود ہے)، بگ بینگ نظریئے پر حملہ کر چکے ہیں۔ کوششوں کی اصل وجہ آنجہانی آرتھر ایڈنگٹن کے (جو مشہور مادہ پرست طبیعیات داں تھا) ان الفا میں دیکھی جا سکتی ہے: "فلسفیانہ اعتبار سے فطرت میں موجود نظم وضبط اور توازن کی اچانک ابتدا کا تصور میرے نزدیک ناگوار ہے"۔ مگر اس حقیقت کے باوجود، کہ بگ بینگ نظریہ مادہ پرستو کے لئے ناگوار خاطر ہے، یہ نظریہ پے در پے سائنسی دریافتوں کی بدولت مضبوط سے مضبوط تر ہو چلا گیا۔ 1960ء کے عشرے میں دو ماہرین، آرنو پینز یاس اور رابرٹ ولسن نے کائنات میں طرف پھیلی ہوئی، بگ بینگ کی ریڈیائی باقیات کا مشاہدہ کیا اور انہیں "کائناتی پس منظر اشعاع" کا نام دیا۔ 1990ء کے عشرے میں "کوہمک بیک گراؤنڈ ایکسپلورر" نامی تحقیقی سیارچے نے بھی ان مشاہدات کی تصدیق کردی۔

ان حقائق کی موجودگی میں الحاد پرستوں کو ایک کونے تک محدود ہونا پڑا۔ یونیورسٹی آف ریڈنگز میں فلسفے کے الحاد پرست پروفیسر اور **Atheistic Humanism** کے مصنف انتھونی فلیو نے دلچسپ انداز میں اعتراف کیا ہے:

"اعتراف کرلینا روح کے لئے اچھا ہوتا ہے۔ لہٰذا میں اس اعتراف سے ابتداء کرتا ہوں کہ ہر ایک کٹر ملحد کو جدید کونیاتی اتفاق رائے کے باعث شرمندہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ یوں لگتا ہے جیسے ماہرین کونیات اس چیز کا سائنسی ثبوت فراہم کر رہے ہیں جسے سینٹ تھامس نے فلسفے کی رو میں ناقابل ثبوت قرار دیا تھا۔ یعنی یہ کہ کائنات کی ابتداء ہوئی تھی۔ جب تک سکون واطمینان کے

ساتھ یہ سمجھا جاتا رہے کہ کائنات کسی آغاز یا اختتام کے بغیر وجود رکھتی ہے، تب تک یہ تقاضا کرنا آسان رہتا ہے کہ اس (کائنات) کی سنگدلانہ موجودگی اور وہ ہر شے جو اس کی بنیادی خدوخال کی تشکیل کرتی ہے، ان سب کو حتمی وضاحت کے طور پر قبول کرلیا جائے۔ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ (لامتناہی کائنات کا) یہ خیال اب بھی درست ہے مگر بگ بینگ کی کہانی کے ہوتے ہوئے اس نقطہ نگاہ پر قائم رہنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناقابل اطمینان بھی ہے"۔

بگ بینگ نظریئے پر ملحدانہ ردعمل ایک اور مثال، مشہور مادہ پرستانہ سائنسی جریدے "نیچر" کی 1989ء کی اشاعت میں اس جریدے کے مدیر جان میڈوکس کے ایک مضمون میں دیکھی جا سکتی ہے۔ Down with Big Bang کے عنوان سے شائع ہونے والے اس مضمون میں جان میڈوکس لکھتے ہیں کہ بگ بینگ کا نظریہ ان کے نزدیک "فلسفیانہ اعتبار سے ناقابل قبول ہے" کیونکہ "تخلیق پرست اور ان جیسے خیالات رکھنے والے دیگر لوگ... بگ بینگ نظریئے میں (اپنے عقیدے کی) معقول توجیح دیکھ رہے ہیں"۔ انہوں نے یہ پیش گوئی بھی کی کہ بگ بینگ کا "آنے والے عشرے میں باقی رہ جانا تقریباً ناممکن ہے"۔ تاہم میڈوکس کی تمام تر توقعات کے باوجود انہی برسوں میں بگ بینگ پر سائنسی حلقوں کے اعتماد میں مزید اضافہ ہوا اور کئی دریافتیں تخلیق کائنات کا ثبوت فراہم کرچکی ہیں۔

بعض مادہ پرستوں کا نقطہ نظر اس معاملے میں قدرے منطقی ہے۔ مثلاً انگریز مادہ پرست ماہر طبیعیات، ایچ پی لپسن نے تخلیق کی حقیقت کو نہ چاہتے ہوئے قبول کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ .... ہمیں لازماً..... قبول کرلینا چاہیے کہ تخلیق ہی واحد قابل قبول وضاحت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ (دیگر) ماہرین طبیعیات کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے، جیسا کہ میرے لئے ہے لیکن اگر تجرباتی (اور مشاہداتی) شہادت اسے تقویت پہنچارہی ہے تو ہمیں اپنی ناپسندیدگی کی بناء پر اس (بگ بینگ نظریئے) کو مسترد کرنا نہیں چاہیے"۔

لہٰذا جس حقیقت پر آخرکار جدید فلکیات پہنچی ہے، وہ یہ ہے: وقت اور مادہ ایک ایسے لافانی طاقت والے خالق کے دست قدرت سے تخلیق ہوئے ہیں جو ان دونوں سے آزاد ہے۔ وہ لافانی طاقت کہ جس نے کائنات تخلیق کی، وہ کائنات کہ جس میں ہم رہ رہے ہیں، بلاشبہ خدا ہی سے منسوب ہے.... خدا کہ جو لامحدود طاقت، علم اور دانائی کا مالک ہے۔

دوسرا اہم ملحدانہ عقیدہ جسے بیسویں صدی کی فلکیاتی دریافتوں نے باطل ثابت کیا، بے ترتیب کائنات کا تصور ہے۔ یہ نقطہ نظر کہ کائنات کا سارا مادہ، اجرام فلکی اور ان کے باہمی تعلق کا تعین کرنے والے قوانین کا کوئی مقصد نہیں اور یہ سب محض ایک اتفاق کا حاصل ہیں۔ ڈرامائی طور پر اپنی قدر و قیمت کھو چکا ہے۔

1970ء کے عشرے سے سائنس دانوں نے اس حقیقت کا ادراک اور اعتراف کرنا شروع کر دیا ہے کہ کائنات میں موجود یہ سارا توازن اور نظم وضبط بڑی احتیاط کے ساتھ اس طرح متعین کیا گیا تا کہ انسانی زندگی کو تقویت پہنچائی جا سکے۔ تحقیق کی پیش رفت سے یہ دریافت ہو چکا ہے کہ کائنات کے طبیعی، کیمیائی اور حیاتیاتی قوانین، قوت ثقل اور برقی مقناطیسی قوت وغیرہ جیسی قوتیں، ایٹموں اور عناصر کی ساخت، غرض تمام کے تمام امور عین اسی ترتیب اور نظم وضبط کی حالت میں ہیں جیسا کہ انہیں انسانی زندگی کے لئے ہونا چاہیے۔ مغربی سائنس داں اس غیر معمولی ڈیزائن (صورت گری) کو ''بشری اصول'' (Anthropic Principle) کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا ہر ایک پہلو انسانی زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے تشکیل دیا گیا ہے۔ بشری اصول کے بنیادی نکات ذیل میں مختصراً بیان کئے جا رہے ہیں:

☆ کائنات کے اولین پھیلاؤ کی رفتار (یعنی بگ بینگ دھماکے کی قوت) عین وہی تھی جو آگے چل کر انسانی حیات کو وجود بخشنے کے لئے ضروری تھی۔ سائنس دانوں نے حساب لگایا ہے کہ اگر کائناتی پھیلاؤ کی مذکورہ رفتار میں اصل ولاسٹی کی بہ نسبت ایک ارب ارب کے ایک حصے 10/18 جتنا بھی فرق آ جاتا تو کائنات اپنی موجودہ جسامت پر پہنچنے سے پہلے ہی دوبارہ ایک نقطے پر مرکوز ہو گئی ہوتی، یا پھر تیز رفتاری سے ہر سمت اس طرح پھیل جاتی کہ کوئی بھی شے دوسری اشیاء سے ملنے نہیں پاتی۔ اس بات کو دوسری طرح سے بیان کیا جائے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عین تخلیق کے لمحے پر بھی کائنات ایک زبردست حساب کتاب کی پابند تھی جس میں ایک ارب ارب کے ایک حصے جتنے انحراف کی گنجائش بھی نہیں تھی۔

☆ کائنات کی چاروں طبیعی قوتیں (یعنی قوت ثقل، کمزور نیوکلیائی قوت، مضبوط نیوکلیائی قوت اور برقی مقناطیسی قوت) اپنی شدت اور اثر پذیری کے اعتبار سے عین وہی ہیں جیسا کہ ایک

منظم کائنات کے لئے، اور زندگی کو وجود بخشنے کے لئے انہیں لازماً ہونا چاہیے۔ ان قوتوں کی عددی قیمتوں میں بھی انتہائی معمولی سی تبدیلی بھی (مثلاً 10 / 39 میں سے ایک، یا 10 / 28 میں سے ایک، جنہیں خام انداز سے ایک ارب ارب ارب ارب میں سے ایک وغیرہ لکھا جا سکتا ہے) یا تو پوری کائنات کو اشعاع کے بے ہنگم مجموعے میں بدل ڈالتی یا پھر اس کائنات میں ہائیڈروجن کے سوا کوئی دوسرا عنصر وجود ہی میں نہیں آ سکتا تھا۔

☆ اسی طرح اور بھی بہت سے توازن ہیں جو زمین کو انسانی زندگی کے لئے مثالی بناتے ہیں۔ مثلاً سورج کی جسامت، زمین اور سورج کا درمیانی فاصلہ، پانی کی منفرد طبیعی و کیمیائی خصوصیات، سورج سے آنے والی اشعاع کا طول موج، زمینی کرہ ہوائی میں تنفس کے لئے حیات بخش گیسوں کا موزوں ترین انداز میں موجود ہونا، یا زمین کا مقناطیسی میدان جو یہاں انسانی زندگی کے تقاضے سے بہترین مطابقت رکھتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ (اس موضوع پر جناب ہارون یحیٰ نے اپنی تصنیف Creation of the Universe میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ''کائنات کی تخلیق'' کے عنوان سے ادارہ گلوبل سائنس نے اسی ماہ شائع کیا ہے۔)

یہ نازک اور نہایت نپا تلا توازن، جدید فلکیات کی سب سے معرکۃ الآراء دریافتوں میں سے ایک ہے۔ نظری طبیعیات کے مشہور ماہر، پال ڈیویز نے اپنی کتاب The Cosmic Blueprint کے آخری پیرے میں لکھا ہے: ''ڈیزائن (صورت گری) کا نقش بہت واضح اور گہرا ہے''۔

ماہر فلکی طبیعیات ڈبلیو پریس نے ''نیچر'' میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے: ''کائنات میں ایک عظیم ڈیزائن موجود ہے جو ذہین حیات کی نمو پزیری کو تقویت پہنچاتا ہے''۔ اسی طرح ایک اور امریکی ماہر فلکیات، جارج گرین اسٹائن نے اپنی تصنیف Symbiotic Universe میں ان الفاظ کے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے:

''یہ کیسے ممکن ہے کہ قوانین طبیعیات خود کو زندگی کی وجود پزیری (کی شرائط) سے پوری طرح ہم آہنگ کر لیں؟'' ...... جیسا کہ ہم شہادتوں کا جائزہ لیتے ہیں، کسی مافوق الفطرت یا زیادہ مناسب الفاظ میں ''ارفع ترین محرک'' The Agency کا خیال فوراً ہی

(ہمارے ذہنوں میں) ابھرتا ہے۔ جو یقیناً اس عمل میں مصروف رہا ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے
اچانک، کسی ارادے کے بغیر ہم کسی اعلیٰ ترین ہستی کی موجودگی کے ثبوت تک پہنچ گئے ہوں؟
وہ خدا تھا کہ جس نے مداخلت کی اور بہت سوچ سمجھ کر ایک ایسی کائنات تشکیل دی جو ہمارے
فائدے کے لئے ہو؟''

سالماتی حیاتیات کے مشہور ماہر، مائیکل ڈینٹن نے بھی انہی خیالات کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی کتاب **Nature's Destiny** میں یہ جائزہ لیا ہے کہ کس طرح تمام طبیعی، کیمیائی اور حیاتیاتی قوانین کو حیرت انگیز حساب کتاب کے ساتھ، انسانی زندگی کے تقاضے پیش نظر رکھتے ہوئے ''مثالی'' انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی کی فلکیات سے سامنے آنے والی (کائناتی) تصویر اس مفروضے کے سامنے ایک ڈرامائی چیلنج پیش کر رہی ہے جو گزشتہ چار عشروں کے بیشتر حصے میں سائنسی حلقوں پر حاوی رہا ہے، یعنی یہ کہ زندگی، کائناتی منظر نامے میں ایک اضافی شے اور خالصتاً اتفاقی مظہر ہے''۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ بے ترتیب کائنات کا تصور، جو شاید الحاد پرستی کے مرکزی ستونوں میں سے ایک ہے، غلط ثابت کیا جا چکا ہے۔ آج سائنس داں کھل کر مادہ پرستی کی شکست کی باتیں کر رہے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جس مفروضے کو یہ کہہ کر: (ترجمہ) ''ہم نے آسمان اور زمین کو، اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے (ان سب کو)، بے مقصد تخلیق نہیں کیا۔ یہ تو ان کا خیال ہے جو ایمان نہیں رکھتے'' (سورۃ 38۔ آیت 27) رد کیا ہے۔ اسے 1970 کے بعد سے خود سائنس بھی غلط ثابت کر چکی ہے۔

کوانٹم طبیعیات اور مقدس حکمت کی دریافت

سائنس کا ایک اور میدان جو مادہ پرستانہ بتوں کو توڑتا اور وجود خداوندی کا ٹھوس ثبوت فراہم کرتا ہے، کوانٹم طبیعیات ہے۔

کوانٹم طبیعیات، مادے کے مختصر ترین ذرات پر بحث کرتی ہے اور اسے ''ذیل ایٹمی میدان تحقیق'' **(Sub-atomic realm)** بھی کہا جاتا ہے۔ اسکول میں بتایا جاتا ہے کہ مادہ ایٹموں سے مل کر بنا ہے۔ ایٹم بھی بذات خود مرکزوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کے گرد الیکٹران

گردش کرتے ہیں۔ ایک پراسرار حقیقت یہ بھی ہے کہ ایٹم کی تشکیل کرنے والے تمام ذرات مجموعی طور پر سارے ایٹم کے حجم کا صفر 0.0001 فیصد حصہ گھیرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایٹم کا تقریباً 99.9999 فیصد حصہ ''خالی'' ہوتا ہے۔

ہماری حیرت میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم ایٹمی مرکزوں اور الیکٹرونوں کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔ ہمیں پتا چلتا ہے کہ مرکزے میں موجود ذرات (پروٹون اور نیوٹرون) بھی مزید مختصر ذروں یعنی ''کوارکس'' (Quarks) سے مل کر بنے ہیں۔ علاوہ ازیں کوارک بذات خود طبیعی معنوں میں ذرات نہیں بلکہ وہ محض توانائی ہیں۔ اس دریافت نے مادے اور توانائی کے درمیان حائل کلاسیکی فرق کو ختم کر دیا ہے۔ آج ہم جس مادی کائنات کی بات کرتے ہیں، وہ صرف توانائی کا مجموعہ ہے۔ جس چیز کو ہم مادے Matter کے نام سے جانتے ہیں وہ درحقیقت ''منجمد توانائی'' (Frozen Energy) ہے۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ کوارک، یعنی ایٹمی مرکزے کے ذرات کی تشکیل کرنے والے ''توانائی کے پیکٹ'' کچھ اس طرح عمل کرتے ہیں کہ انہیں ''باشعور'' (Conscious) قرار دیا جاسکتا ہے۔ ماہر طبیعیات فری مین جے ڈاکسن نے ٹیمپلیٹن پرائز وصول کرتے وقت ان الفاظ میں اظہار خیال کیا:

''ایٹم بڑے عجیب ہیں جو غیر عامل مادے کے بجائے سرگرم محرکات کی طرح عمل کرتے ہیں۔ کوانٹم طبیعیات کے قوانین کے مطابق، دو متبادل ممکنات کے درمیان ایسی کیفیات اختیار کرتے ہیں جن کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ یوں لگتا ہے جیسے کہ ذہن، جس کا اظہار اختیار (Choice) کی صلاحیت سے ہوتا ہے، ان ایٹموں میں بھی کسی حد تک موروثی طور پر موجود ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر ایٹم کے پس پشت ''اطلاع'' (Information) کارفرما ہے۔ وہ اطلاع جو بجائے خود مادے پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ ایم آئی ٹی سے تربیت یافتہ سائنس داں جیرالڈ شروڈر جنہوں نے طبیعیات اور حیاتیات دونوں میدانوں میں کام کیا ہے اور جو مشہور کتاب The Science of God کے مصنف بھی ہیں، اس بارے میں متعدد اہم تبصرے کر چکے ہیں۔ اپنی ایک حالیہ کتاب The Hidden Face of God میں

شروڈر یہ بتاتے ہیں کہ کوانٹم طبیعیات (سائنس کی دیگر شاخوں سمیت) ایک ایسا اوزار ہے جس کی مدد سے مادی کائنات میں پوشیدہ آفاقی حکمت (Universal Wisdom) کو دریافت کیا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''آئن سٹائن کی اس دریافت تک پہنچتے پہنچتے انسانیت کو ہزار برس لگ گئے، خواہ یہ عجیب وغریب کیوں نہ محسوس ہو، کہ مادے کی بنیاد توانائی ہے، اور یہ کہ مادہ اصل میں کثیف توانائی (Condensed Energy) ہے۔ ہمیں یہ دریافت کرنے میں اور بھی طویل عرصہ لگ سکتا ہے کہ کوئی اور ''غیر شے'' (Non-thing) بھی ہے جو توانائی سے بھی زیادہ بنیادی ہے اور توانائی کی اساس تشکیل دیتی ہے اور یہی درحقیقت تمام مادے کی بنیاد بھی ہوگی''۔

پرنسٹن یونیورسٹی میں طبیعیات کے پروفیسر اور آئن اسٹائن ایوارڈ حاصل کرنے والے جان آرچیبالڈ نے بھی یہی حقیقت بیان کی تھی جب انہوں نے کہا تھا کہ اطلاع (انفارمیشن) کی اکائی ''بٹ'' سے مادے کے تمام اجزاء کو وجود حاصل ہوا ہے۔ شروڈر کے مطابق اس کا مفہوم ''بہت جامع'' ہے۔

''مادے/توانائی کا باہمی تعلق، کوانٹم موجی تفاعل، نہایت جامع مفہوم رکھتے ہیں۔ ... شاید اس حقیقت کے ادراک کی جانب گامزن ہے کہ ساری کائنات اصل میں اطلاعات اور ایک خیال کا اظہار ہے، بالکل اسی طرح جیسے ایٹم بذات خود توانائی جیسی کسی شے کے ادراک اظہار کی ایک صورت ہیں''۔

یہ حکمت ودانائی، جس کا شروڈر نے تذکرہ کیا ہے، اتنی وسیع ہے کہ اس نے ساری کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے:

''ایک اکیلا شعور، ایک آفاقی حکمت، تمام کائنات پر حاوی ہے۔ سائنسی دریافتیں ذیل ایٹمی مادے کی کوانٹم نوعیت کھوجتی ہیں۔ ہم پر ایک اچھوتا احساس آشکار کر چکی ہیں کہ کائنات اسی حکمت کا اظہار ہے۔ تجربہ گاہوں میں ہم اس کا مشاہدہ اطلاع کی حیثیت سے کرتے ہیں جو پہلے توانائی کی صورت میں آئی اور پھر اس نے سکڑ سمٹ کر مادے کی شکل اختیار کرلی۔ ہر ذرہ اور ہر ذی روح، ایٹم سے لے کر انسان تک، اسی حکمت ودانائی اور اسی اطلاع کی ایک سطح کا اظہار کرتا نظر آتا ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی کائنات، ایٹموں کا بے ہنگم اور بے مقصد مجموعہ نہیں ہے جیسا کہ مادہ پرست/ملحدانہ مفروضات بیان کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ایک ایسی حکمت اور دانائی کا حاصل ہے جو کائنات سے بھی پہلے موجود تھی اور جو آج موجود ہر شے پر مکمل اختیار کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ شروڈر کے الفاظ میں، یہ ''ایسا ہے جیسے کوئی مابعد الطبعی مواد، طبعی ہیئت پر اثر انداز ہوا ہے''۔

اس دریافت نے مادہ پرستی کو پرزہ پرزہ کر دیا اور یہ ثابت کیا ہے کہ جس مادی کائنات کو ہم دیکھتے ہیں وہ ایک قادر مطلق ہستی کی قدرت کے عکس کے سوا اور کچھ نہیں۔ لہٰذا، جیسا کہ شروڈر وضاحت کرتے ہیں، کوانٹم طبعیات وہ مقام ہے جہاں سائنس اور خدا پرستی باہم مل جاتے ہیں:

''کائنات کا قدیمی خدا پرستانہ نقطہ نظر ہے کہ یہ ساری کائنات ایک قادر مطلق حکمت و دانائی کا حاصل ہے جبکہ کائنات میں ہر جگہ پھیلا ہوا شعور بھی اسی (حکمت و دانائی) کے اطلاق کی ایک شکل ہے۔ اگر میں یہاں حکمت و دانائی کی جگہ ''اطلاع'' کا لفظ رکھ دوں تو خدا پرستی کا تصور، کوانٹم طبعیات کی مانند محسوس ہونے لگے گا۔ ہم شاید طبعی اور روحانی اقدار کے آپس میں یکجا ہونے کا مشاہدہ کر رہے ہیں''۔

کوانٹم طبعیات واقعی وہ مقام ہے جہاں سائنس اور خدا پرستی کا عقیدہ آپس میں مل جاتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ تمام کائنات کو ایک عظیم ترین حکمت و دانائی نے اپنے احاطے میں لے رکھا ہے، قرآن پاک نے چودہ سو سال پہلے اس طرح بیان فرما دی ہے: (ترجمہ) ''تمہارا رب صرف ایک ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ اس کے علم (حکمت و دانائی) نے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے''۔ (سورۃ 20۔ آیت 98) بشکریہ گلوبل سائنس

ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس (ہنگری)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

الحاج ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس ہنگری کے مستشرق اور بین الاقوامی علمی شہرت کے مالک ہیں۔ وہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان ہندوستان آئے تھے۔ کچھ عرصہ ڈاکٹر ٹیگور کے شانتی مکتبین میں گزار کر جامعہ ملیہ دہلی گئے۔ جہاں انہوں نے انشراح صدر کے ساتھ اسلام قبول کرلیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کئی زبانوں کے ماہر ہیں خصوصاً ترکی میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ مشرقی علوم کا مطالعہ اسلام کی طرف ان کی رہنمائی کا سبب ہوا تھا۔ موصوف کے یہ تاثرات اردو ڈائجسٹ 1964ء سے ماخوذ ہیں۔

جوانی کا زمانہ تھا۔ میں برسات کی ایک خوشگوار اور خوبصورت سہ پہر کو ایک مصور رسالہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے صفحات پر عصر حاضر کے مباحث کے ساتھ ساتھ دلچسپ افسانے اور دور دراز ملکوں کے حالات پھیلے ہوئے تھے۔ میں رسالے کے ورق الٹ پلٹ رہا تھا کہ نگاہ ایک تصویر پر جم کر رہ گئی۔ یہ تصویر کچھ چھت دار مکانوں کی تھی، جا بجا گنبد اور مینار آسمان کی طرف بلند ہور ہے تھے اور بہت سے لوگ زرق برق لباس پہنے سیدھی صفوں میں دوزانوں بیٹھے ہوئے تھے، تصویر کا منظر ہمارے مغربی مناظر سے بالکل مختلف تھا، اس لئے میری توجہ اس میں جذب ہوکر رہ گئی۔ ایک نامعلوم سی بے چینی پیدا ہوئی کہ اس تصویر کا اصل مفہوم معلوم کیا جائے۔

بعد میں تھوڑی سی کوشش سے پتہ چل گیا کہ یہ تصویر مسلمانوں کی عبادت، نماز کی ایک جھلک پیش کرتی ہے۔ مزید معلوم ہوا کہ مسلمان اپنا ایک الگ طرز زندگی رکھتے ہیں۔ تجسس تو تھا ہی میں نے ترکی زبان پڑھنا شروع کی۔ مجھے بہت جلد یہ معلوم ہوگیا کہ ترکی ادب میں اس کے اپنے الفاظ بہت کم ہیں اس کی نثر میں فارسی اور نظم میں عربی کا اثر غالب ہے، اب میں نے ترکی کے ساتھ عربی اور فارسی کی تحصیل بھی شروع کر دی۔ مقصد محض یہ تھا کہ ان زبانوں کے ذریعے اپ کو اس روحانی دنیا میں داخل ہونے کے قابل بنا سکوں جس کی تابنا کیوں نے انسانیت کی تقدیر کو جگمگا دیا ہے۔ خوش قسمتی سے ایک مرتبہ موسم گرما کی تعطیلات میں مجھے بوسنیا کے سفر کا اتفاق ہوا۔ یہ یورپی ملکوں میں ہمارا سب سے قریبی پڑوسی ہے۔ وہاں میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور جیتے جاگتے، چلتے پھرتے مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے لگا۔ رات کا وقت تھا، مدھم برقی روشنی

سڑکوں پر پڑ رہی تھی۔ میں ایک کم حیثیت کیفے میں داخل ہوا۔ اندر معمولی سٹولوں پر بیٹھے دو بوسینی قہوے کا لطف اٹھا رہے تھے، وہ ترکوں کے روایتی گھیرے دار پاجامے پہنے ہوئے تھے جو کمر پر سے پیٹیوں کے ذریعے بندھے ہوئے تھے۔ ہر ایک پیٹی میں ایک خنجر لٹکا ہوا تھا۔ پوشاک اور وضع قطع سے وہ فوجی معلوم ہوتے تھے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ ان سے کچھ دور ایک سٹول پر دبک کر بیٹھ گیا۔

دونوں نے میری طرف متجسس نگاہوں سے دیکھا۔ میری رگوں میں خون منجمد ہو کر رہ گیا اور وہ تمام قصے ذہن میں تازہ ہو گئے جو کتابوں میں مسلمانوں کے متعصبانہ تشدد اور عدم رواداری کے بارے میں پڑھ چکا تھا، وہ دونوں آپس میں کچھ سرگوشی کر رہے تھے اور جہاں تک میں سمجھ سکا، موضوع سخن کیفے میں اس وقت میری غیر متوقع موجودگی تھی۔ مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ اس خطرناک ماحول میں میں نے نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن مجھ میں اٹھنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ میں اسی پریشانی میں مبتلا تھا کہ ہوٹل کے ملازم نے خوشبودار قہوے کی ایک پیالی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور ان خوفناک آدمیوں کی طرف اشارہ کیا کہ انہوں نے بھیجی ہے۔ میں نے ان آدمیوں پر گہری نگاہ ڈالی۔ اس پر ان میں سے ایک نے متبسم چہرے کے ساتھ نرم اور شیریں آواز میں مجھے سلام کیا۔ میں نے بادل نخواستہ مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ میرے دونوں مفروضہ دشمن اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئے۔ مجھ کو یقین ہو گیا کہ وہ کم از کم مجھے کیفے سے نکال باہر کریں گے، لیکن انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ شیریں لہجے میں دوبارہ سلام کیا اور میری چھوٹی میز کے سامنے بیٹھ گئے، ایک نے تپاک کے ساتھ سگار پیش کیا۔ ان کے اس شریفانہ برتاؤ سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ اس فوجی لباس کے اندر خلیق اور متواضع روح پوشیدہ ہے۔

انہوں نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ میں قدیم ترکی میں ان کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔ یہ بات چیت بڑے کام کی ثابت ہوئی۔ انہوں نے بڑے خلوص سے مجھے اپنے یہاں مدعو کیا۔ مسلمانوں سے ذاتی طور پر میری پہلی ملاقات تھی۔

دن، مہینے، برس گوناگوں واقعات و حادثات اپنے دامن میں لے کر آتے اور گزرتے گئے، علم کا ہر مسئلہ اور زمانے کا ہر واقعہ مجھے نئے تجربات سے دوچار کرتا رہا۔ میں نے یورپ کے تمام ملکوں کی سیاحت کی۔ قسطنطنیہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی، ایشیائے کوچک اور شام کی تاریخی یادگاروں

اور قدرتی مناظر کی رعنائی کا مشاہدہ کیا اور عربی، فارسی اور ترکی میں فارغ التحصیل ہو کر بو...
یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کا صدر مقرر ہو گیا۔

میں نے علم کے خشک و تر ذخیرے کا بڑا حصہ حاصل کر لیا جو صدیوں سے جمع ہوتا چلا آ...
ہزار ہا کتابوں کی ورق گردانی کر ڈالی، لیکن کتابی معلومات کا یہ سرمایہ مجھے قلب کی تسکین کا...
نہ دے سکا۔ دماغ سیراب تھا، مگر روح تشنہ تھی۔ میری دلی تمنا تھی کہ جو کچھ میں نے اب تک...
ہے، اسے یکسر فراموش کر کے دل کی داخلی کیفیات میں کھو جاؤں۔ میری روح مقدس مذہب...
سدا بہار چمن سے مشک بیز ہونا چاہتی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ جس طرح لوہار کچے لوہے کو آگ...
تپا کر فولاد کی شکل دے دیتا ہے، اسی طرح میرا علم روحانیت کے سوز سے زیادہ کارآمد اور...
بن جائے۔

میں ہندوستان میں تھا جبکہ ایک رات میں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کو خواب...
دیکھا۔ آپؐ کی ریش مبارک حنا شدہ تھی (حضور ﷺ کی ریش مبارک کا قدرتی رنگ حنا...
بالوں کی طرح تھا) لباس سادہ اور پاکیزہ تھا اور اس میں سے ایک عجیب روح پرور خوشبو مہک...
تھی۔ آپؐ نے نہایت دلپذیر لہجے میں فرمایا۔

''تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ سیدھا راستہ تمہارے سامنے کھلا ہوا ہے اٹھو اور یقی...
اور ایمان کی قوت سے اس پر گامزن ہو جاؤ''۔

میں نے ہمت کر کے عرض کیا ''آپ جیسی عظیم ہستی کے لئے یہ بات بہت آسان تھی...
خدا نے مافوق الفطرت طاقت عطا کی تھی، جس نے منصب نبوت پر فائز ہو کر تائید غیبی سے...
دشمنوں پر فتح کامل حاصل کی اور جس کی مساعی پر خدائے قدوس نے عظمت و جلال کا تاج...
دیا''۔

آپ نے ذرا تیز نگاہ سے میری طرف دیکھا پھر کچھ تامل کے بعد فرمایا:

''کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور تم کو جوڑے کر کے پیدا نہیں...
اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا''۔

آپؐ کی عربی اس قدر فصیح اور پر شکوہ تھی کہ اس کا ہر لفظ خوشگوار بانگ درا کی مانند میر...
کانوں میں پڑ رہا تھا۔ کلام الٰہی جو آپؐ کی پیغمبرانہ زبان سے ادا ہو رہا تھا وہ میرے سینے پر ایک...
بھاری بوجھ ڈالے جا رہا تھا۔

اس کے بعد اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا اب مجھے نیند نہیں آسکتی۔ میں اس راز کو نہیں سمجھ سکتا، جو ان پردوں میں نہاں ہے۔ میرے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ بے چینی سے دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ پیغمبر خدا کی خشمگیں نگاہ سے دل پر ہیبت سی بیٹھتی جا رہی تھی۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے گہری نیند طاری ہوگئی ہے۔ میں اچانک جاگ اٹھا۔ رگوں میں دوران خون تیز ہوگیا۔ سارا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ جوڑ جوڑ میں درد تھا۔ زبان گنگ ہو رہی تھی اور بے حد اضمحلال اور تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔

دوسرے جمعے کو جامع مسجد میں آنکھوں نے ایک نیا منظر دیکھا۔ بھورے بالوں اور زرد چہرے کا ایک اجنبی چند محترم شخصیتوں کے ساتھ مجمع میں سے اپنا راستہ بناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں ہندوستانی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ سر پر رام پوری ٹوپی تھی۔ سینے پر سلاطین ترکی کے عطا کردہ نشانات امتیاز آویزاں تھے۔ ایک مختصر سی جماعت، مجھے اپنے ہمراہ لئے سیدھی منبر کے سامنے پہنچی۔ یہاں علماء اور بزرگان ملت بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے ''السلام علیکم'' کہہ کر میرا استقبال کیا۔ میں منبر کے قریب بیٹھ گیا۔ میری آنکھیں بلا ارادہ اٹھ کر تھوڑی دیر کے لئے مسجد کی تعمیری صنعت کاری اور محراب و در کی زیب و زینت کی طرف جم گئیں۔ درمیان کی بلند محراب پر شہد کی مکھیوں نے چھتے لگا رکھے تھے۔ جن کے گرد وہ مجمع سے بے نیاز ہو کر چکر لگا رہی تھیں۔

یکا یک اذان کی صدا بلند ہوئی، جسے دوسرے مکبروں نے جو مناسب مقامات پر استادہ تھے، اپنی صداؤں سے مسجد کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ اس الٰہی حکم پر تقریباً چار ہزار مسلمان فوجی سپاہیوں کی طرح ایک دم کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے پیچھے قریب قریب صفیں جما کر بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ یہ نظارہ بڑا پر کیف اور روح پرور تھا۔ نماز پڑھنے والوں میں، میں بھی شامل تھا۔

نماز ختم ہونے کے بعد ایک صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے منبر کے قریب لے گئے۔ زینے پر میرے قدم رکھتے ہی مجمع میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ پگڑیوں سے آراستہ ہزاروں سر لہلہاتے چمن زار کی طرح جنبش میں آگئے۔ سفید ریش علماء نے میرے گرد حلقہ سا بنا لیا، ان کی پر شوق نگاہیں اور شگفتہ نورانی چہرے ہر ساعت میری ہمت بڑھا رہے تھے۔ میرے اندر جرات اور امنگ پیدا ہو رہی تھی۔ کسی جھجک کے بغیر میں نے منبر کے ساتویں زینے پر قدم رکھا۔ میں نے اچٹتی نگاہ سے

ہجوم کا جائزہ لیا جو مسجد کے آخری سرے تک بحر مواج کی طرح نظر آتا تھا۔ پچھلی صفوں کے لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کے اس سمندر میں تلاطم برپا ہو گیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر بعض لوگوں کے منہ سے بے ساختہ ماشاءاللہ نکل گیا۔ میں نے اپنی تقریر عربی میں شروع کی۔

"**ایھا السادات الکرام!** میں ایک دور دراز ملک سے سفر کر کے یہاں اس علم کی طلب میں آیا ہوں جو مجھے وطن میں حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں آپ کے پاس روحانی فیض حاصل کرنے آیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اس سے مستفید فرمایا"۔

اس کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آیا۔

"مسلمانوں میں یہ بات عام ہے کہ بس خدا ہی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہمارے عمل کے کئے سے کچھ نہیں ہو سکتا، لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ ہم نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی جس نے خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہ کی ہو"۔

میں نے آیت کی تفسیر کر کے اس کا مفہوم و منشاء بیان کیا اور تقویٰ کی زندگی اور گناہ و طغیان کے خلاف جہاد کرنے پر تفصیل سے روشنی ڈالی، تقریر کے دوران میں اللہ اکبر کے وجد آفریں نعروں سے فضا بار بار گونج اٹھتی رہی۔ بیان ختم کر کے میں وہیں منبر پر بیٹھ گیا، میرے دل میں جذبات کا طوفان اس طرح موجزن تھا کہ اس وقت کی اور بات سوائے اسکے یاد نہیں رہی کہ ایک صاحب نے ہاتھ کے سہارے مجھے منبر سے اتارا اور مسجد سے باہر لے چلے۔

میں نے پوچھا کہ آخر اتنی جلدی کیوں ہے؟ لیکن ذرا سی دیر میں اس کا سبب معلوم ہو گیا۔ بے شمار لوگ بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحے اور معانقے کئے۔ ناتواں اور عمر رسیدہ لوگ جو مجھ تک نہ پہنچ سکتے تھے، بڑی محبت بھری نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہے تھے، ہر شخص اپنے لئے دعا کا خواستگار اور میرے ہاتھوں اور سر کو بوسہ دینے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا، میں نے پوری قوت سے گھٹی ہوئی آواز میں کہا "اے اللہ کے نیک بندو! آپ مجھے اپنے اوپر اتنی ترجیح کیوں دے رہے ہیں، بے شمار حشرات الارض میں میرا بھی شمار ہے، میری مثال ایک پتنگے کی سی ہے جو روشنی کی طرف بڑھ رہا ہے"۔

اپنے ساتھ اللہ کے ان مخلص بندوں کی عقیدت و محبت دیکھ کر میرا دل عجز و ندامت سے پانی پانی ہو رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ سب اسلام کی بدولت ہے، بے شک ہمارا سب سے بڑا اور پختہ رشتہ دین کا ہے۔

زبانی دعوے اور ضمیر کی آواز

اشفاق احمد

بڑا اچھا موسم ہے اور بڑے اچھے دن ہیں، لیکن جو خوشی دلوں کے اندر ناچتی ہے اور چہروں پر رقص کرتی ہے، وہ عام لوگوں میں مفقود ہے۔ پتہ نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ کسی سیانے سے پوچھیں تو وہ بھی اس کی وجہ بیان نہیں کرسکتا۔ کسی اکانومسٹ سے دریافت کریں تو اپنی تمام علمیت کے باوجود یہ نہیں بتا سکتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ ہماری انسانوں کی بھری پڑی دنیا میں ایسا کیوں ہورہا ہے کہ وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی مغموم، موم اور پریشان اور دردمند رہتا ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ دن بھی کچھ سکھانے کے لئے ہوتے ہیں اور جب آدمی سیکھ جاتا ہے تو بہت کچھ حاصل کرلیتا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت بڑی باتیں آپ کے سامنے آجاتی ہیں بشرطیکہ آپ غور کریں۔

رمضان شریف سے پہلے کا ذکر ہے۔ میں اپنے گھر میں بالکل اکیلا تھا۔ ایک عجیب و غریب آواز سنی، جو اس سے پہلے کبھی سنائی نہیں دی تھی۔ وہ آواز کچھ کچھ پرندے کی لگتی تھی اور کچھ کچھ مشین کی لگتی تھی اور کچھ کسی سیارے کے اوپر سے آنے کی سی ککو، کک، کک، ککو۔ میں پریشان ہوا اور میں نے اٹھ کر صحن کا چکر لگایا۔ آواز بدستور آرہی تھی لیکن پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں سے آرہی ہے۔ پھر میں اٹھ کر باورچی خانے میں گیا، وہاں سے بھی ایسی ہی آواز آرہی تھی، لیکن ذرا مدہم تھی۔ باورچی خانے کے ساتھ ایک کوٹھڑی ہے، جہاں بانو کھانے پینے کا سامان یعنی سوکھی رسد وغیرہ رکھتی ہیں۔ وہاں بھی ویسی ''کک'' کی آواز آرہی تھی، پھر میں باہر نکلا اور محسوس ہوا جیسے یہ آواز میرا پیچھا کررہی ہے، جس طرف میں جاتا ہوں میرے ساتھ چل رہی ہے۔ میں خاصا پریشان ہوا۔ اس عمر میں آدمی چھوٹی چھوٹی باتوں میں زیادہ پریشان ہوتا ہے۔ اتفاق سے میرا بیٹا جو اپنی فائل بھول گیا تھا دفتر سے گھر آیا تو میں نے کہا، یار تم دیکھو یہ عجیب سی آواز آتی ہے اور پھر رک جاتی ہے اور زیادہ دیر تک نہیں آتی۔ وہ کہنے لگا کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے یہ آواز ہماری سڑک سے پچھلی سڑک پر سرونٹ کوارٹرز کی جو کالونی ہے اس کے پیچھے سڑک بن رہی ہے۔ اس طرف سے آرہی ہے اور زمین کو ہموار کرنے

والے بلڈوزر کی ہے۔ میں نے کہا کہ بلڈوزر کی آواز تو اور طرح کی ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ
ابو بلڈوزر جب ریورس کرتا ہے تو پھر یہ مخصوص قسم کی آواز دیتا ہے۔ خطرے کے طور پر کہ
کوئی ہے تو نہیں محتاط ہو جائیں۔

میرا بیٹا چلا گیا، لیکن میں سوچنے لگا کہ یہ سائنسدان لوگ بھی کیا کمال کے لوگ ہوتے ہیں۔ انہوں نے مادیت سے اتنا کچھ نہیں سیکھا، جتنا روحانیت سے سیکھا ہے اور میرے اندر بھی یہ وارننگ کا سگنل اکثر اسی آواز میں چلتا ہے اور چلتا رہا ہے۔ اس کو آپ ضمیر کی آواز کہہ لیں، اس کو آپ احساس گناہ کا نام دیں، میرے اندر کی آواز سے فائدہ اٹھا کر ہی سائنسدانوں نے اپنی مشینوں میں اسی طرح کی آواز بھر دی ہے، جیسے ضمیر کی آواز ہوتی ہے تا کہ آدمی کو پتہ چلتا رہے کہ وہ کیسی غلطی کر رہا ہے اور کیوں ریورس جا رہا ہے اور یہ کہ اسے خداوند تعالیٰ نے آگے جانے کے لئے حکم دیا ہے۔ وہ بیک کیوں جا رہا ہے۔ میرے ذہن میں یہ ساری باتیں آئیں تو بہت ساری گزشتہ باتیں اور کیفیتیں جو آدمی کے ذہن پر طاری ہو جاتی ہیں، وہ طاری ہو گئیں۔ مجھے اللہ کی ایک بات یاد آئی، جس کی میں نے ہمیشہ ہی حکم عدولی کی اور جس کو نہیں مانا۔ یہ کہ اللہ کہتا ہے کہ وہ کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں اور بہت دفعہ کہا ہے۔ میری یہ کیفیت رہی ہے اور شاید میرے ساتھیوں کی بھی ہو کہ ہم جب سٹیج پر بیٹھتے ہیں یا گھر والوں یا دوست احباب میں بات چیت کرتے ہیں تو ضرور ایسی باتیں کرتے ہیں، جن پر ہمارا عمل نہیں ہوتا۔

میرے ایک استاد تھے اور میں خود بھی ٹیچر رہا ہوں۔ وہ اپنے طلبہ، اپنے ساتھیوں اور سارے ملنے والوں کو اکثر بتایا کرتے تھے کہ "نبی اکرم ﷺ اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، اپنے کرتے کو خود پیوند لگاتے تھے، اپنے جوتے خود مرمت کرتے تھے، اگر جگہ صاف نہ ہو تو جھاڑو دیتے تھے اور اگر کبھی کوئی کارکن کارندہ یا خادم سویا ہو تو اسے کبھی نہیں جگاتے تھے"۔ لیکن میں تو اکثر یہ پوچھتا ہوں کہ بھئی وہ بشیرا کہاں ہے۔ پتہ چلا کہ سویا ہوا ہے تو کہتا ہوں اسے جگاؤ اور اسے بولو کہ میرے لئے چائے کی ایک پیالی بنائے۔ میری طرح میرے بعد آنے والے استاد پھٹے ہوئے کپڑوں کو پیوند لگانے یا جوتا گانٹھنے کی بات اکثر کرتے ہیں، لیکن

میں نے کبھی کسی استاد کو آج تک سکول میں نہیں دیکھا کہ اس نے اپنی قمیض کو کوئی پیوند یا ٹانکی لگائی ہو۔ یہ ہم کہہ ضرور دیتے ہیں، لیکن کتنی بری اور نقصان دہ بات ہے کہ میرا عمل نہیں ہے، لیکن میں اسے زبردستی دھکیلے چلا جاتا ہوں کہ آپ اس پر عمل کریں، میں قبول کروں یا نہ کروں یہ تکلیف دہ بات ہے۔

پچھلے دنوں میں ٹی وی پر ایک تقریر سن رہا تھا، ٹی وی پر سمجھدار لوگوں کا ایک پینل کہہ رہا تھا کہ دیکھئے ہمارے اسلام میں عورت کو خداوند تعالیٰ نے اتنی آسانیاں دی ہیں اور اس کے لئے ایسے قانون طے کر دیئے ہیں، جو دنیا کے کسی معاشرے اور مذہب میں نہیں ہیں۔ اس کو پوری آزادی دی ہے۔ ولایت والیاں تو اب **1928-30**ء میں بڑی مشکل سے وہاں پہنچی ہیں، جو آج سے **14** سو برس قبل اللہ نے عورت کو دے دیا تھا۔ بیان تو یہ ہو رہا ہے لیکن جب میں عمل کی طرف لوٹتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو وہ کہتے ہیں کرتے کہاں ہیں۔ میرے ایک عزیز ہیں، چچازاد بھائی۔ وہ بڑے نیک مولوی آدمی ہیں اور ہمیں اچھی نصیحتیں کرتے ہیں۔ ان کی رحیم یار خان میں زمین ہے، جس میں باغ بھی ہے، وہ بارہ مربع زمین ہے وہ ایک بھائی اور بہن ہیں، ان کے ابا جی حیات تھے تو وہ سب کام سنبھالتے تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو بڑی سیدھی سی تقسیم تھی کہ آٹھ مربع بھائی کے اور چار مربع بہن کے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

اس میں کوئی باریکی بھی نہیں تھی تو وہ بھائی صاحب جو بار بار یہ کہتے تھے کہ اللہ نے طے کر دیا ہے جب چار مربع زمین دینے پڑے (ایک مربع کی آمدنی تقریباً **4** لاکھ روپیہ سالانہ تھی) اور **16** لاکھ روپیہ سالانہ بہن کو جانے لگا تو ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ وہ خدا اور رسولؐ کے فرمان بتاتے تو بڑے تھے، لیکن عمل نہیں تھا۔ میں نے کہا، یار تم تو ہمیں سمجھایا کرتے تھے اس لئے آپا کا جو حصہ بنتا ہے اسے دو۔ کہنے لگا نہیں میں ظالم نہیں ہوں، سنگدل نہیں ہوں، میں بڑی احتیاط اور سنبھال کے ساتھ اس کے مربع کا انتظام بھی کرتا ہوں۔ میں نے کہا تو ایسا نہ کر۔ اس کا خاوند جانے وہ جانے۔ کہنے لگا نہیں، میں اس کی بہتر مدد کر سکتا ہوں اور میں اس کا خرچ چلانے کے لئے گزارے کے طور پر دو ہزار روپیہ ماہانہ دے رہا ہوں۔

دیکھئے، جب یہ سب کچھ ہو گیا تو میں نے ایک روز اپنے اس بھائی کو دیکھا، خواتین و

حضرات! لاہور میں ایک جگہ ہے شاہ جمال کالونی، وہاں پر سڑک کے کنارے ایک چڑی مار بیٹھا تھا۔ یہ طوطے چڑیاں پکڑ کر بیچنے والے ہوتے ہیں۔ وہاں میرا وہی بھائی کھڑا تھا اور اس نے ایک چڑی مار سے کہا، سو چڑیاں چھوڑ دے اور بتا کتنے کی آتی ہیں۔ اس نے کہا پانچ روپے کی ایک چڑی ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ یہ لو پانچ سو روپیہ چڑی مارنے پنجرے کا دروازہ کھول دیا اور چڑیاں پھر پھر اڑنے لگیں۔ میں گاڑی میں بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا بتاؤ طوطا کتنے کا ہے۔ اس چڑی مار نے جواب دیا پچیس روپے کا۔ میرے بھائی نے کہا کہ چلو دس طوطے چھوڑ دو۔ یہ پیسے دے کر میرا بھائی سمجھا کہ اللہ کے حکم پر اس نے عمل کر لیا ہے اور جو لوگ وہاں کھڑے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ کتنا نیک دل آدمی ہے۔ جانوروں پر اس قدر رحم کرتا ہے تو بندوں پر کیوں نہیں کرتا ہوگا۔ اس طرح کی کوتاہیوں میں ہم سب شامل ہیں، کسی نہ کسی طور پر۔ میں زور لگاتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ یا اللہ ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکلے، لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ جو بندہ محفل میں بیٹھا ہے وہ معتبری بنانے کے لئے چاہے گا کہ اس کی واہ واہ ہو۔ رہا اس کا عمل تو اسے کون دیکھنے جاتا ہے۔ اس طرح آدمی کی بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔

میں نے شاید آپ کو پہلے بھی قصہ سنایا تھا کہ ہمارے سکول میں دو لڑکے آپس میں لڑ پڑے اور دونوں لڑکوں کے والدین میرے پاس آ گئے۔ آپ صاحب عقل ہیں، پرنسپل صاحب کو منائیے۔ میں پرنسپل کے پاس گیا انہوں نے کہا کہ میں یہ بات تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں اور انہیں سکول سے نکال دیا اور اس سختی سے نکالا کہ وہ لڑکے کسی اور سکول میں داخلہ ہی نہیں لے سکتے تھے، یعنی ان کا کیریئر ہی تباہ کر دیا۔ ہوا یہ تھا کہ صبح **Prayer** کے وقت ایک نے دوسرے کو دھکا دیا اور وہ لڑ پڑے۔ بس اتنی سی بات تھی۔ میں نے پرنسپل صاحب سے درخواست کی کہ آپ تو معاف کر دینے والوں میں سے ہیں، تو کہنے لگے ہاں میں اپنے بچوں کو معافی کا درس دیتے ہیں۔ میں نے کہا سر! جب تک آپ معاف کرنے کا علم نہیں عطا کریں گے تو انہیں لفظ معافی کی سمجھ نہیں آئے گی۔ آپ انہیں آگے بڑھنے کا مقابلہ کرنے کا سبق سکھاتے ہیں تو معاف کرنے کا بھی سکھا دیں۔ یہ کیسے آئے گا یہ سکول سے ایسے ہی نکل

گئے اور انہیں کسی نے معافی کا درس نہ دیا اور اتفاق سے جا کر کسی ضلع کے ڈپٹی کمشنر بن گئے تو انہیں تو معاف کرنے کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ انہوں نے سیکھا ہی نہیں ہوگا، جیسے میں نے باکسنگ کا فن نہیں سیکھا۔ اگر کوئی مجھے اکھاڑے میں کھڑا کر دے تو میں تو مارا جاؤں گا۔ کہنے لگے نہیں، دیکھئے اس کا کورس میں ذکر ہے اور ایک ماسٹر صاحب سے کہا کہ آپ بھاگ کر وہ کتاب لائیں اور اسے اشفاق صاحب کو دکھائیں۔

اس میں لکھا تھا کہ ایک بد بخت بڑھیا مکہ شریف میں حضور نبی اکرم ﷺ پر ہر روز کوڑا پھینکا کرتی تھی اور آپؐ اپنی زلفیں، سر اور کپڑے جھاڑتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ یہ کہانی آپ لوگ جانتے ہیں۔ ایک دن یہ سب کچھ نہ ہوا تو آپ کو پتہ چلا کہ وہ عورت بیمار ہے، آپؐ عیادت کے لئے اس کے گھر گئے اور فرمایا کہ بی بی کیا حال ہے۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ پرنسپل صاحب کہنے لگے، دیکھئے کتنا اچھا معاف کرنے کا سبق ہے۔ میں نے کہا جی یہ تو کہنے کی بات ہے۔ کہنے لگے نہیں، ہم پڑھا دیتے ہیں۔ اگلے سبق میں پڑھیے، جب حضور نبی اکرم ﷺ طائف میں تشریف لے گئے تھے، وہاں پر شریر نوجوان پیچھے پڑ گئے اور آپ کو تکالیف دیں تو نبی پاکؐ نے دعا دی کہ ''اے اللہ! یہ لوگ جانتے نہیں''۔ فرشتہ جبرائیل ان کے پاس آیا اور کہا آپ چاہیں تو ہم پہاڑوں کو ملا دیں۔ یعنی فرشتے کو تکلیف ہوئی کہ یہ کم بخت لوگ کیا کرتے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا ''انہیں کچھ نہ کہنا۔ انہیں پتا نہیں جب پتا چل جائے گا تو......''

اچھا ہم سارے یہ بات بتا تو دیتے ہیں، لیکن ہم اس پر کسی طور عمل نہیں کرتے اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک عمل نہ ہو سکے، بتائیں بھی نہیں۔ جب بات کریں لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی کوئی آدمی ایسا ضرور آتا ہے زندگی میں، جو اس کک، کک، کک سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کا ضمیر جب اس کو روکتا ہے اور کہتا ہے کہ ریورس مت چل تو وہ ریورس سے رک جاتا ہے۔ آواز سب کو آتی ہے، پتا سب کو چلتا ہے۔ لیکن وہ خوش قسمت ہوتا ہے۔

آپ کو ایک واقعہ سناؤں بریلی کے کوئی رئیس تھے۔ وہ میر ضامن کے مرید بھی تھے۔ ان سے بیعت تھے۔ ان کے ہاں ایک دفعہ چوری ہو گئی، تو لوگوں کو اکٹھا کیا۔ ایک بے چارہ جولاہا

وہاں موجود تھا، جو بڑا ڈر پوک قسم کا کارندہ ہوتا ہے۔ اس کو بلا کر ڈرایا دھمکایا تو وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ لوگوں نے کہا کہ جناب! یہی چور ہے۔ اس کی شکل دیکھیں پیلی رنگت ہو رہی ہے۔ انہوں نے اس کو تین چار بید مارے وہ تڑپا اور چلایا۔ رئیس جب گھر آیا تو اسے خیال آیا کہ اس کے پاس کوئی ثبوت تو تھا نہیں۔ میں نے ایسے ہی اسے بید لگا دیئے۔ وہ وہاں سے نکلے اور مولوی ضامن صاحب کے پاس گئے، جو اس وقت اپنے کمرے میں تھے اور معمولات میں مصروف تھے۔ خادم نے رئیس سے کہا کہ وہ اس وقت نہیں مل سکتے۔ رئیس نے کہا کہ آپ مولوی صاحب سے کہہ دیجئے کہ یا تو وہ ملاقات کرلیں، یا پھر میں اپنا منہ کالا کروں یا جھیل میں ڈوب کر مر جاؤں، کیونکہ میں واپس گھر نہیں جاؤں گا۔ اس پر پریشان ہو کر مولوی ضامن نے انہیں اندر بلالیا اور کہا، میاں کیا شور مچا رکھا ہے۔ اس نے کہا کہ جی مجھ سے یہ کوتاہی ہوگئی ہے۔ مولوی ضامن نے کہا کہ اس میں شور مچانے والی کیا بات ہے۔ اس شخص سے معافی مانگ لو۔

رئیس کہنے لگا یہ تو مشکل ہے (کیونکہ وہ بڑا آدمی تھا) مولوی ضامن نے کہا کہ بس خودکشی کرنے، مرنے یا خود کو ایذا دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک ہی حل ہے کہ معافی مانگو، وہ واپس آیا۔ گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور جولاہے کو بھی بلایا۔ وہ بے چارہ پھر ڈرا کہ سردار نے پھر بلایا ہے۔ رئیس نے کہا کہ یا تو مجھے اتنے بید مارو، نہیں تو میں تجھے اس گاؤں سے جانے نہیں دونگا۔ تیرا گھان بچہ (خاندان) مار دونگا۔ وہ کہنے لگا، خواہ مجھے آپ جان سے ماردیں آپ رئیس ہیں اور ہمارے سردار ہیں۔ میں آپ کو بید کیسے مار سکتا ہوں۔ رئیس نے کہا کہ نہیں یہ تو تجھے مارنے پڑیں گے۔ وہاں جھگڑا ہو گیا لوگوں نے کہا حضور یہ بیچارہ غریب آدمی ہے اور آپ سے خوفزدہ ہے۔ یہ اتنا بڑا اقدم کیسے اٹھا سکتا ہے۔ آپ نے معافی مانگ لی کافی ہے۔ وہ رئیس گھٹنوں کے بل جھک کر جولاہے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ مجھ سے کوتاہی ہوگئی۔ اس پر اس جولاہے نے کہا کہ جی میں نے آپ کو معاف کیا۔ جب رئیس گھر پر آئے تو پھر ان کا دل مطمئن نہ ہوا کہ پتہ نہیں معافی ملی ہے یا نہیں۔ مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی۔ گویا رئیس کے اندر بلڈوزر کی کٹ، کٹ، کٹ چلی آرہی تھی اور وہ اس کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔ پھر رئیس نے

جو لا ہے کو بتائے بغیر اپنے آپ کو اس کے گھر کا ایک خادم بنا لیا۔ صبح اٹھتے تو کبھی لے جاتے اور اس کے گھر والوں سے کہتے کہ بازار سے جو سودا منگوانا ہے، مجھے بتا دیں۔ بیبیوں کے مزے ہو گئے۔ وہ دو سیر چینی، سیر آٹا، پیاز اور مولیاں وغیرہ سب کچھ منڈی سے خرید کر انہیں لا دیتے۔ جب تک زندہ رہے وہ ایک خادم کی حیثیت سے اس گھرانے کا کام کرتے رہے۔

یہ تو خوش قسمت لوگوں کی کہانی ہے کہ انہوں نے جو کہا اس پر عمل بھی کیا، کیونکہ مجھ سے یہ ہوتا نہیں ہے اور میں کافی کوشش بھی کرتا ہوں۔ اسلام کی برتری کا تذکرہ کرتے ہوئے ان بڑے لوگوں کی مثالیں ہم دیتے ہیں کہ جن کے قریب تک پہنچنے کا ہم میں یارا نہیں ہوتا، ہمت نہیں ہوتی اور انہیں ہم کسی بھی صورت تقابل میں لا نہیں سکتے۔ جب اللہ یہ کہتا ہے اور وضاحت سے کہتا ہے "تم کیوں ایسا کہتے ہو، جو کرتے نہیں ہو"۔ یہ بڑی غور طلب بات ہے۔ اس میں یقیناً تھوڑی سی بے رونقی ضرور آئے گی، لیکن جس بات کا میں نے پہلے تذکرہ کیا کہ دلوں کے اندر خوشی کا سامان ضرور مل جائے گا، جیسے اس رئیس کے اندر رہوا۔

میں جو سمجھ سکتا ہوں کہ ہماری معاشرتی کمزوری ہے کہ ہم لوگ سارے کے سارے اعلیٰ درجے کی مثالیں دے کر اسے اپنی زندگی کے اوپر حاوی نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز رات کو اپنے دفتر کا حساب کر رہے تھے، دیا روشن تھا، دوست باتیں کرنے لگا تو آپ نے پھونک مار کے دیا گل کر دیا اور کہا کہ یہ قوم کا تیل تھا، جس سے یہ جل رہا تھا۔ ہم آپس میں ذاتی باتیں کر رہے تھے، اس لئے یہ دیا نہیں جلے گا۔ اندھیرے میں بات کرو۔ ہم یہ بات جب کہتے ہیں تو سننے والا بھی بیچارہ اور ہم خود بھی یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید ہم بھی اسی رنگ میں ہیں، حالانکہ ہم قومی یا سرکاری سرمائے کو بلا دریغ جو استعمال کرنے میں ہرگز کوئی برائی نہیں سمجھتے۔ اس دن کی ریورس کی کک، کک، کک میرے اندر بڑی شدت سے چل رہی ہے۔ گو میں ابھی اس کک، کک پر ویسے قابو نہیں پا سکا، جیسے میر ضامن علی صاحب کے مرید رئیس نے پایا تھا۔ میں آپ کو دعا دیتا ہوں کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ بشکریہ روزنامہ خبریں

چھوٹے بڑے انسان

کے ایم اعظم

ہر چند زندگی کے سائے لمبے ہونے شروع ہو گئے ہیں، دانش و حکمت کی فقط چند باتیں ہی میرے سننے میں آئی ہیں۔ زندگی میں پہلی بار جب حکمت کی بات میرے کانوں میں پڑی تو میں ایم ایس سی کے دوسرے سال کا طالب علم تھا۔ یہ 1953ء کی بات ہے کہ ایک بار میں ایک خستہ حال بس میں مسافر تھا، جوان دنوں فیشن میں تھیں۔ ایک وجیع، قدیم دیہاتی بزرگ مجھ سے اگلی نشست پر ایک نوجوان ساتھی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنے انداز گفتگو سے بارکار بنے والا معلوم ہوتا تھا، جن کو وسطی پنجاب کے نہری علاقوں کے نوآبادکار ''جانگلی'' کہہ کر پکارتے تھے۔ باتوں کے دوران اس نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا: ''انسان نقصان اٹھائے بغیر بڑا نہیں بن سکتا۔ انسان کو بڑا بننے کے لئے اپنا حق چھوڑنا پڑتا ہے۔ مگر آجکل ہر کوئی، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، ذاتی مفادات کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے''۔

فی الحقیقت ہم اپنے نوزائیدہ ملک کے استحکام و استقامت کے لئے قربانیاں دینے کی بجائے اس کی لوٹ مار میں مشغول ہو گئے۔ متروقہ مال و زر اور جائیدادوں کی فراوانی نے رشوت اور لوٹ مار کے کلچر کو فروغ دیا۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت سے ہی ہمارے حالات دگرگوں ہوتے چلے گئے۔ فی زمانہ ہمارے اس وطن عزیز میں سیاسی قوت کو مال و زر سمیٹنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ ناجائز ذرائع سے جمع کی گئی دولت کو سیاسی قوت کے حصول کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں یعنی سیاسی قوت اور دولت فلاح کی بجائے ظلم کا موجب بنتے ہیں۔ دولت مند اور بااثر اشخاص قانون شکنی کے باوجود قانون کے محافظ بنے رہتے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے سلطنت برطانیہ کے فولادی ڈھانچے کو جو کہ ان کی اعلیٰ سروسز پر مبنی تھا ملیدہ بنا دیا گیا، جس پر اب اختتامی ضرب موجودہ عسکری حکومت نے لگا دی ہے۔ فی زمانہ کیونکہ سیاست کی اساس مذہب اور اخلاقی اقدار پر نہیں ہے اور مذہب کو بس لوگوں کے جذبات بھڑکانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس لئے جو کچھ بھی مذہب کے نام پر کیا جاتا ہے، وہ مذہب کی بدنامی اور اس کی ناقص تصریح کا باعث بنتا ہے۔

عوامی نظم و نسق اور عملی تدبیر کے دائرہ میں حکمت و دانش کی کئی باتیں میں نے ان تین سالوں میں سیکھیں، جو میں نے زرعی ترقیاتی کارپوریشن مغربی پاکستان کے بانی چیئرمین جنرل ملک حق

نواز کے ساتھ گزارے۔ اگر ہم نے ان کے ایک ہی مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو آج ہمارے ملک کے حالات مختلف ہوتے۔ انہوں نے ہمیں متنبہ کیا تھا کہ وہ ہمارا موازنہ اس بات پر کریں گے کہ ہم کس انداز میں اپنے ماتحت افسران کی سالانہ بصیغہ راز رپورٹیں لکھتے ہیں۔ انکے خیال میں یہ افسران بالا کا ایک اہم فرض منصبی ہے کہ وہ اپنے ماتحت افسران، بالخصوص کیڈر افسران کی سالانہ رپورٹیں نہایت ذمہ داری اور سچائی کے ساتھ لکھیں۔ ان میں اگر کوئی چھوٹا بڑا نقص دیکھیں تو اسے بلا خوف تحریر میں لائیں اور اس چیز کی پرواہ نہ کریں کہ اس کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ فی الواقعہ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی افسر وفاقی سیکرٹری یا کسی صوبہ کا گورنر متعین ہوجائے (ان دنوں یہ بھی ممکن تھا)۔ اور اس کا کوئی چھوٹا سا نقص یا عیب کسی قومی سانحہ کا باعث بن جائے۔ فی الحقیقت ہوا بھی ایسے۔ ہماری فوج کے ایک میجر جنرل کی ایک بریگیڈیئر پر سالانہ خفیہ رپورٹ کالعدم قرار دے دی گئی۔ اور پھر یہ چھوٹی سی بے جا اعانت قومی المیہ کا باعث بن گئی۔ جب یہ بریگیڈیئر ملک کا سربراہ بن بیٹھا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ہم اس عینی ہدف سے اور دور ہوگئے ہیں اور اب تو حالت یہ ہوگئی ہے کہ کوئی سچ بولنے والا رہا نہ سچ سننے والا۔ جنرل حق نواز کے کئی نگینوں میں سے ایک یہ تھا کہ ''اس آدمی سے خبردار رہو جسے کبھی غصہ نہ آتا ہو''۔ ان باتوں کو اب ایک زمانہ گزر گیا ہے اور مجھے دنیا کے کئی خطوں میں ملازمت کے مواقع ملے ہیں، مگر میں نے جنرل حق نواز جیسا منتظم جو بیک وقت جابر بھی تھا اور شفیق بھی، نہیں دیکھا۔ شاید وقت نے اس جیسے انسان تراشنے بند کردیئے ہیں۔

اس کے بعد جو حکمت کی بات میں نے سنی وہ جناب جمیل نشتر کے منہ سے نکلی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب وہ نیشنل بینک آف پاکستان کے مینیجنگ ڈائریکٹر تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی انسان کسی مقام پر پہنچتا ہے جیسے کہ وفاقی سیکرٹری، سفیر، ہائی کورٹ کا جج، بینک کا سربراہ یا فوج کا جنرل تو وہ کبھی بیوقوف نہیں ہوتا۔ ان کا یہ تجزیہ حقیقت پر مبنی تھا اور زندگی میں میں نے اسے بڑا کارآمد پایا ہے۔ اس کی مدد سے مجھے پیچیدہ حالات اور شخصیتوں کے سمجھنے میں آسانی رہی ہے۔ زندگی میں کئی بار میں نے شدت سے محسوس کیا کہ اگر حکمران عصر میرا مشورہ قبول کرلیں تو ان کے لئے کارحکمرانی آسان ہوجائے۔ درحقیقت میں نے اپنے قیمتی مشورے، بلائے یا بن بلائے، رجال حکومت کو پیش کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ بہر حال وقت گزرنے پر مجھے یہ پتہ چلتا رہا کہ حکمرانان وقت کو وہ ساری باتیں پتہ تھیں جن کی طرف میں ان کی توجہ دلانا

چاہتا تھا بلکہ ان کے علاوہ بھی انہیں کچھ باتوں کا علم تھا۔ بات صرف یہ ہے کہ حکمرانان وقت کا
ایجنڈا ہوتا ہے۔ ان کے اپنے مفاد ہوتے ہیں حکمرانوں اور عوام کے مفادات میں تضاد ہوتا ہے۔
جمیل نشتر ہر چند کہ ایک موڈی انسان تھے مگر لوگوں اور بدلتے حالات کی ایک گہری بصیرت رکھتے
تھے۔ ان کو باوصف اور شجیع انسانوں کو اپنے گرد جمع کرنے کا شوق تھا۔ جب جناب ذوالفقار علی بھٹو
نے عنان صدارت سنبھالتے ہی مغربی پاکستان زرعی ترقیاتی کارپوریشن کو کالعدم قرار دے دیا
میں لوگوں کی نظروں میں بیروزگار ہو گیا تو جمیل نشتر صاحب نے مجھے بینک میں ایک اعلیٰ آسامی
کی پیشکش کر دی، حالانکہ وہ مجھے ذاتی طور پر نہ جانتے تھے۔ انہیں صرف یہ علم تھا کہ کس طرح
تقریباً ایک دہائی پہلے میں نے اپنے برطانوی ڈائریکٹر کو ٹھینگا دکھایا تھا۔

اس خستہ حال بس پر میرے اس سبق آموز سفر کو بیس سال گزر گئے تھے۔ ہر چند کہ میرے
ساتھ محو گفتگو بزرگ کی شکل شباہت اس قدیم و وجیہہ دیہاتی سے بہت ملتی جلتی تھی۔ مگر یہ بزرگ
شخصیت بس کی سیٹ کی بجائے وزیراعظم کے سیکرٹریٹ کی ایک معتبر کرسی پر براجمان تھے۔
صدیوں کی دلربا حکمت کے نقش و نگار ان کے مہربان چہرے پر کندہ تھے اور ان کے بولے ہوئے
الفاظ میں کافی کی چسکیوں جیسی تسکین تھی۔ میرے سامنے بیٹھی ہوئی شخصیت، معروف سرائیکی ز
مند ملک خدا بخش بچہ کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ: ''برخوردار آپ بنانے سے ہی بنا سکتے ہیں
کرنے سے بنا نہیں سکتے'' اور تاسف کے ساتھ فرمایا کہ: ''گزرے وقتوں میں بڑے لوگ کرسی
کو عزت بخشتے تھے، جبکہ فی زمانہ چھوٹے لوگ کرسی سے عزت حاصل کرتے ہیں''۔ آج ان کی
اس عاقلانہ گفتگو کو تیس برس گزرنے کو آئے ہیں اور اس دوران میں بہت ہی چھوٹے لوگ بڑی
بڑی کرسیوں پر براجمان ہو گئے ہیں۔ نتیجتاً لوگ مایوس و ناامید ہو گئے ہیں اور ان کا موجودہ نظام
پر سے بھروسہ اٹھ گیا ہے۔ اب وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ پرانے نظام کی اصلاح کی
جا سکتی ہے۔ بہت سے لوگ اب اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ پرانے نظام کی بیخ کنی کر کے ہی
کسی نئے نظام کے ابھرنے کی امید کی جا سکتی ہے۔

پاکستان میں سب لوگ ایک بڑے انقلاب کی راہ دیکھ رہے ہیں مگر کوئی بھی اس طرف توجہ
نہیں کر رہا کہ اس کے لئے ہمیں کیا کیا قربانیاں دینی پڑیں گی۔ ہر کسی کی شدید خواہش ہے کہ
موجودہ نظام تبدیل ہو مگر کس طرح؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ سب اس بات پر تو متفق ہیں کہ موجودہ
نظام انتہائی طور پر فرسودہ اور ناقص ہے، جس کا تبدیل ہونا لازمی ہے مگر کسی کو بھی اس بات کا

احساس نہیں ہے کہ اپنے اندر تبدیلی لائے بغیر نظام کو بدلنے کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ ظلم کی ایک تہہ کی جگہ اس کی دوسری تہہ لے لے گی۔ بے شک یہی نظام ہمارے نوآبادیاتی دور میں ایک بڑی حد تک لوگوں کو سکھ چین اور انصاف مہیا کر رہا تھا۔ نوآبادیاتی دور میں ریاست طاقتور تھی اور رعایا پر اس کی گرفت مضبوط تھی اور وہ اس کو کسی حد تک ہی سیاسی سرگرمیوں میں شمولیت کی اجازت دیتی تھی۔ مگر افسوس آزادی ملنے کے بعد بھی ہماری ریاست نے قومی سیاسی اداروں کو پھلنے پھولنے کا موقعہ نہ دیا۔ چنانچہ یہ ادارے بتدریج ذاتی اور گروہی مفادات اور قومی قیادت کے فقدان کا شکار ہوگئے۔ جبکہ دوسری طرف ریاست، جس کے سر سے تاج برطانیہ کا چھتر اٹھ گیا تھا، اپنے اہل کاروں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اپنا روایتی مقام و تقدس کھو بیٹھی۔ چنانچہ پاکستان میں جب کہ ریاست نے سیاسی اداروں کو پنپنے کا موقعہ نہیں دیا، وہاں سیاسی انحطاط نے ریاستی وقار کو بے آبرو کر دیا۔

اس خستہ حال بس پر سفر کے بعد میں آکسفورڈ کے لئے سمندری سفر پر روانہ ہوگیا۔ آکسفورڈ میں جو سبق میرے ذہن نشین کرایا گیا وہ تھا کہ کسی بھی چھپے لفظ کو مقدس نہ جانو اور نہ ہی کہنے والے کے رتبے سے مرعوب ہو بلکہ اس کی کہی ہوئی بات کی ہر پہلو سے جانچ پڑتال کرو۔ سچ کے بھی ہر پہلو پر غور کرو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دو شخص ظاہراً متضاد بات کہہ رہے ہوں مگر دونوں سچے ہوں۔ یا پھر ایک ہی منبع سے سچ کی بے شمار کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔ اس سبق کا بلاواسطہ اطلاق ہمارے ان مسائل پر بھی ہوتا ہے، جو آجکل ہمیں اکیسویں صدی میں درپیش ہیں۔ ہمیں یہ احساس ہو جانا چاہیے کہ شاید ایک مسئلے کے کئی ایک حل ممکن ہوں۔ سب سے پہلے ہمیں ہر ممکن حل کی نشاندہی کرنی چاہیے۔ اور پھر ہر ممکن حل کے مثبت اور منفی پہلوؤں کی شناخت کرنی چاہیے اور ان کی افادیت اور نقصانات یا آمدن اور اخراجات کی فہرست بنانی چاہیے۔ کسی لائحہ عمل کو قطعی طور پر چننے سے پہلے ہمیں اس کے مقابلتاً نفع و نقصان کا صحیح صحیح تخمینہ لگانا چاہیے۔ مگر اس کے برعکس ہم پاکستانیوں کا رویہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو حق وحید کا حامل تصور کرتے ہیں۔ اس لئے نہ تو ہم دوسروں کی بات سننے کے روادار ہیں اور نہ ہی ہر ممکن لائحہ عمل کی پوری تشخیص کرنے کی طرف مائل ہیں۔ ہماری اس متعصب، متشدد رویہ اور تنگ نظری کی وجہ سے ہمیں ماضی میں کئی ایک نقصانات و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع اپریل 2004ء مورخہ

جمعہ 9	ہفتہ 10	اتوار 11

کو انشاءاللہ منعقد ہو رہا ہے بھائیوں سے شرکت کی اپیل ہے

سالانہ اجتماع

نزد وحید کالونی، کوٹ شاہاں پیر و شہید بس سٹاپ، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ضروری اطلاع

سالانہ مجلہ فنڈ -/200

شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق توحیدی صاحب نے سلسلہ کے تمام بھائیوں کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنا سالانہ مجلہ فنڈ برائے سال 2004ء ماہ جنوری سے ماہ اپریل (سالانہ اجتماع) تک اپنے خادم حلقہ یا ایڈیٹر مجلہ کو جمع کروا دیں تاکہ مجلہ کی طباعت کو یقینی بنایا جا سکے۔

زندگی اور موت کا سوال

جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟

جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟

مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟

ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟

نکبت و ادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ **حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ**

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (اردو انگلش)	**چراغ راہ**	**حقیقت وحدت الوجود**
260 صفحات قیمت-/100 روپے	مجلد 240 صفحات قیمت-/100 روپے	پلاسٹک کور قیمت-/25 روپے

ملنے کا پتہ

- ادارہ اسلامیات 190 انار کلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوالا کینڈی پلاٹ نمبر S.T-9 بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی
  [illegible]
- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 500 گوجرانوالہ

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف



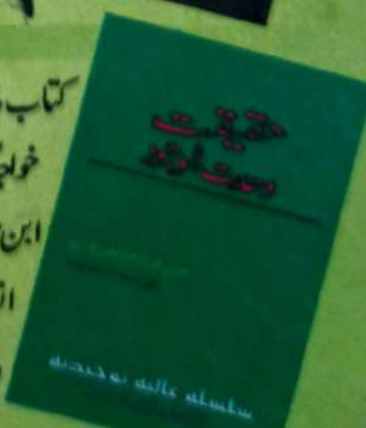
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی
اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے
اجتماعات پر ارشاد فرمائے انہیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے۔
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔